

اخلاقیات

(ETHICS)

گیارہویں اور بارہویں جماعت کے لیے



پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ، لاہور

فہرست

باب	عنوان	صفحہ نمبر	باب	عنوان	صفحہ نمبر
پہلا باب:	مذہب کا تعارف	01	چوتھا باب:	آداب	53
•	مذہب کی سماجی، فلسفیانہ اور نفسیاتی تفہیم	01	•	کام کی جگہ کے آداب	53
•	مذہب پر معاشرے کے اثرات	08	•	انتظامیہ	54
•	وحدتِ ادیان کا تصور	12	•	ماتحتِ عملہ	54
•	مذہب اور سائنس	15	•	خدمتِ گار	55
دوسرا باب:	پاکستان میں مختلف مذاہب	20	•	ملاقاتی	56
•	اسلام	20	پانچواں باب:	مشاہیر	59
•	مسیحیت	26	•	نیلسن منڈیلا	59
•	ہندو دھرم	30	•	عبدالستار ایدھی	64
•	زرشتیت	35	•	مدرِ ثریا — مادرِ مہرباں	68
•	سکھ مذہب	39	•	ڈاکٹر محمد یونس — بیماری و غربت کا سیما	72
تیسرا باب:	اخلاقی اقدار	43	•	نجیب محفوظ — عرب دنیا کا عظیم ناول نگار	76
•	اجتماعی عدل اور مساوات	43	•	جشید نسرwan جی مہتا — دریا دل خدمت گار	80
•	معاشرتی ادارے	46	فرہنگ	84	
•	کام کی جگہ پر وقت اور پابندی وقت کی اہمیت	50	نصابِ اخلاقیات	کلاس گیارھویں	89
			نصابِ اخلاقیات	کلاس بارھویں	90

پیش لفظ

خدا تعالیٰ نے انسان کو نہ صرف اشرف المخلوقات بنایا بلکہ حقائق کے ادراک کے لیے فہم و دانش عطا کی جس کی بنیاد پر وہ سمجھتا ہے کہ اچھے اخلاق ہی انسانیت کا بنیادی جوہر ہیں۔ اگر انسان میں اخلاقی کمزوریاں پیدا ہو جائیں تو وہ انسانیت کے درجے سے گر جاتا ہے اور ساری عقل و نبیث اور مادی ترقی کے باوجود وہ حیوان سے بدتر ہو جاتا ہے۔ اسی لیے تعلیم کا ایک بنیادی کردار انسان کو زیور اخلاق سے آراستہ کرنا قرار پایا ہے۔

عمومی تعلیم جہاں انسان کی کردار سازی پر زور دیتی ہے وہاں اخلاقیات کے مقاصد تعلیم میں مذاہب کی بنیادی تعلیم کو لازمی قرار دیا گیا ہے۔ تاکہ سماجی زندگی میں طلبہ کو مذاہب کی قدر و قیمت کا اندازہ ہو، اور مشاہیر کو شامل نصاب کرنے کا مقصد طلبہ کو مثالی نمونے مہیا کرنا ہے۔ اسی طرح تدریس اخلاقیات کا ایک مقصد یہ ہے کہ طلبہ کی تعلیم و تربیت کے دوران میں ان کا رشتہ ابدی اقدار سے جوڑ دیا جائے۔ تاکہ ابتدا ہی میں دیانت داری، سچائی، حکمت، عفت، شجاعت اور خدمتِ خلق کے لیے درِ دل جیسی صفات پیدا ہو جائیں۔ یہ اخلاقی اقدار جہاں فرد کی شخصیت میں نکھار پیدا کرتی ہیں وہاں معاشرے کو ٹھوس بنیادیں فراہم کرتی ہیں۔

انسانی زندگی میں مذاہب کا کردار ہمیشہ سے اہم رہا ہے۔ الہامی مذاہب میں تو خدائے بزرگ و برتر نے انسان کو نہ صرف رشد و ہدایت، نجات اور زندگی بسر کرنے کے سلیقے اور جینے مرنے کے طور طریقے بتائے بلکہ اپنے بھیجے ہوئے بندوں کے ذریعے عملی نمونے بھی پیش کیے۔ غیر الہامی مذاہب کے بانیوں اور اصلاح کاروں نے اخلاقی اقدار کے ذریعے سے انسان کو بدلنا چاہا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ مذاہب تمام اخلاقی اقدار کے ناخذ ہیں اور ان اقدار کی ترویج کا ذریعہ بھی۔

تاریخ کے مختلف ادوار میں مذاہب نے انسان کی اخلاقی تربیت کی ہے اور انسان کو روحانی سہارا بھی دیا ہے۔ اس سے جہاں معاشرے پر سکون اور پُرامن رہے وہاں انسان کو عظمت، عزت اور وقار بھی نصیب ہوا۔ حقیقت میں وہ تمام روایات، رسوم اور اقدار جو سلامتی کے راستے کی طرف لے جاتی ہیں ان سب کا سرچشمہ مذاہب ہیں۔ وہ تمام نیک لوگ جو انسانیت کے لیے درِ دل رکھتے ہیں اور ہمیشہ خدمتِ خلق میں پیش پیش رہتے ہیں وہ سب کی نہ کسی مذہب کے پیروکار ہوتے ہیں۔

اسلامی جمہوریہ پاکستان ایک نظریاتی مملکت ہے، جس میں غالب اکثریت مسلمانوں کی ہے۔ لیکن ہندو، مسیحی، سکھ، پارسی اور دیگر مذہبی اقلیتیں بھی موجود ہیں۔ ان اقلیتوں میں ہندو اور مسیحی قریب قریب ایک جیسی تعداد میں ہیں اور یہ دونوں بڑی اقلیتیں ہیں جب کہ سکھ مذہب کے پیروکار ان سے کم ہیں۔ تشکیل پاکستان سے لے کر اب تک یہ اقلیتیں پاکستان کے پُرامن شہری ہیں اور انہیں آئینی طور پر مذہبی آزادی حاصل ہے۔

عالمی مذاہب وہ سرچشمہ فیض ہیں جن سے عالم انسانیت نے روحانی پیاس بجھائی ہے۔ یہ نئی نوع انسان کے اتحاد، باہمی یگانگت اور ہم آہنگی کا ذریعہ بھی ہیں۔ ساری مخلوق خدا کا کنبہ ہے۔ اور مذاہب ان کو یک جا کرتے ہیں۔ بھارت کے فلسفی ڈاکٹر ادا کرشنن نے کہا

تھا کہ جو انسانوں کو جوڑے وہ دھرم ہے اور جو توڑے وہ ادھرم ہے۔ مذاہب فطرت کے قریب، بلکہ بعض مذاہب سراسر فطرت ہیں۔ یہ انسان کو محبت، رواداری اور یگانگت کا درس دیتے ہیں۔

مذاہب ہمسائیوں، مسافروں، نادار، مسکینوں اور دیگر ضرورت مندوں کے حقوق کا خیال رکھنے پر زور دیتے ہیں۔ وہ مریض کی عیادت کو عبادت اور خدمتِ خلق کو بلند درجہ اخلاقی فرض کی تکمیل قرار دیتے ہیں۔ اس طرح یہ مذاہب انسانوں کے اتحاد اور ہم آہنگی میں کلیدی کردار ادا کرتے ہیں۔

اخلاقیات کی اس کتاب میں ایسا مواد شامل نصاب کیا گیا ہے جو نہ صرف اخلاقیات بلکہ تعلیم کے مقاصد کا بھی احاطہ کرتا ہے۔ ان میں بتایا گیا ہے کہ مذاہب کی ترویج و ترقی میں معاشرے کا کردار کیا ہوتا ہے اور مذاہب کس طرح معاشرے میں مثبت تبدیلیوں کے لیے پیش رفت کرتے ہیں۔ اسی طرح اجتماعی عدل اور مساوات کے لیے سماجی اداروں کی کارکردگی، وحدتِ ادیان کے تصورات اور سائنس اور مذاہب جیسے اہم موضوعات شامل ہیں۔

کتاب میں بڑے بڑے مذاہب کے اعتقادات اور ان کی تعلیمات کی تفصیلات بتائی گئی ہیں۔ ان کے مطالعہ کے بعد طلبہ اندازہ کر سکیں گے کہ بنی نوع انسان کی اصلاح کے لیے مذاہب نے کیا کردار ادا کیا ہے اور یہ کہ تمام مذاہب انسان کو نہ صرف اچھے اخلاق کی تعلیم دیتے ہیں بلکہ اس کی تربیت بھی کرتے ہیں۔

عملی زندگی میں قدم رکھتے ہی ہم میں سے ہر ایک کو معاشرے کے دیگر افراد سے واسطہ پڑتا ہے۔ ہمیں معلوم ہونا چاہیے کہ اچھے رویے بہتر تعلقات کے لیے ضروری ہوتے ہیں۔ کتاب میں بتایا گیا ہے کہ رواداری، حسنِ اخلاق اور مہذب ہونے کے لیے ہمیں کن آداب کا خیال رکھنا چاہیے۔ اسی طرح کتاب میں ایسے مشاہیر کی زندگی اور فکر کا ذکر کیا گیا ہے جو آزادی، خودداری، دردمندی اور خدمتِ خلق کے سلسلے میں ہمارے لیے قابلِ تقلید ہیں۔ ان میں نپلسن منڈیلا، عبدالستار ایدھی، مدرثریسا، ڈاکٹر محمد یونس، نجیب محفوظ اور جمشید نرواں جیسی شخصیات کو شامل ہیں۔

اسلامی جمہوریہ پاکستان کا 1973ء کا آئین تمام سیاسی جماعتوں نے اتفاق رائے سے منظور کیا، چنانچہ یہ اپنی تخلیق ہی سے ہمارے باہمی اتحاد اور یک جہتی کا مظہر ہے۔ اس میں اقلیتوں کے حقوق کے تحفظ اور ان کی مذہبی سرگرمیوں کی آزادی کی ضمانت موجود ہے۔ اس لیے آئین سے اخوت، بھائی چارے اور باہمی اخلاص و محبت کو فروغ ملا۔

تفکیک پاکستان کے دوران میں اور 14 اگست 1947ء کے بعد بھی قائد اعظم محمد علی جناح نے اپنی تقریروں میں عوام کے باہمی اتحاد پر زور دیا۔ انہوں نے ہمیشہ اقلیتوں کے حقوق کا نہ صرف خیال رکھا، بلکہ علی الاعلان کہا کہ پاکستان میں اقلیتوں کو مکمل مذہبی آزادی ہو گی۔ 4 جولائی 1947ء کو انہوں نے نئی دہلی میں ایک پریس کانفرنس میں فرمایا: ”پاکستان میں اقلیتوں کی پوری پوری حفاظت کی جائے گی، خواہ وہ کسی بھی فرقے سے تعلق رکھتے ہوں۔ ان کا مذہب، عقیدہ اور ایمان پاکستان میں بالکل محفوظ اور سلامت رہے گا۔ وہ بلا لحاظ رنگ و نسل ہر اعتبار سے پاکستان کے شہری ہوں گے۔“ اسی طرح انہوں نے 11 اگست 1947ء کو ایک تقریر میں انہی باتوں کا اعادہ کیا۔

پاکستان کی ترقی، خوش حالی اور باوقار قوموں کی صف میں کھڑا ہونے کے لیے ضروری ہے کہ یہ ملک اندرونی طور پر، پُر امن اور متحد ہو اور ملک کے تمام باشندے خواہ ان کا تعلق اکثریت سے ہو یا اقلیت سے وہ یکسو ہو کر باہمی اتحاد اور یگانگت سے اس کی ترقی کے لیے کام کریں۔ حقیقت یہ ہے کہ پاکستان کے روشن مستقبل کے لیے مذہبی ہم آہنگی بہت ضروری ہے۔ رواداری، برداشت، محبت و یگانگت اور دوسروں کے مذہب کا احترام انسانیت کا زیور بھی ہیں اور ملکی ترقی و خوش حالی کی ضمانت بھی۔

مصنفین

مذہب کا تعارف

مذہب کی سماجی، فلسفیانہ اور نفسیاتی تفہیم

اکیسویں صدی کے آتے آتے ترقی کی رفتار تیز ہو گئی ہے اور ایسی معلومات، خبریں اور اطلاعات جن کے عام ہونے میں ہفتے، مہینے اور سال لگتے تھے اب وہ لمحوں میں دنیا کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک پہنچ جاتی ہیں۔ اس کا ایک نتیجہ یہ نکلا ہے، کہ دنیا بھر کے لوگ ایک دوسرے کے قریب آ گئے ہیں اور ایک دوسرے کو بہتر طور پر سمجھنے لگے ہیں۔ پہلے دنیا کے کسی خاص خطے، ملک یا قوم کو جن مسائل کا سامنا ہوتا تھا وہ ان سے خود ہی نمٹ لیتے اور دوسروں کو کانوں کان خبر نہ ہوا پاتی تھی۔ اب یہ سیاسی سماجی اور معاشی مسائل کسی خاص علاقے، قوم یا خطے کی بجائے عالمی برادری کے مسائل بن گئے ہیں اور ان مسائل کو سمجھنا اور ان کا حل تلاش کرنا قدرے آسان ہو گیا ہے۔ اسی طرح پہلے دوسرے مذاہب کے بارے میں لوگ کم معلومات رکھتے تھے اب انسان مذاہب کو بہتر طور پر سمجھنے لگا ہے۔ اس طرح ان کی سماجی حیثیت جاننے اور ان کی فلسفیانہ اور نفسیاتی تفہیم کے نئے رجحانات پیدا ہو رہے ہیں۔

مذہب کے لغوی معنی راستہ اور طریقہ کے ہیں۔ یہ مذاہب حق کی تلاش، اپنی ذات کی پہچان اور وصال الہی کی منزل تک پہنچنے کا طریقہ بتاتے ہیں۔ مذہب ہم سب کو رواداری، محبت اور اتحاد کا درس دیتے ہیں۔ مذاہب کی تاریخ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مذہب نے انسانی معاشرت سنوارنے اور اخلاقی قدروں کو بھارنے کی کوشش کی ہے۔ انسان کی نجی اور اجتماعی زندگی پر کسی اور عنصر نے اتنے گہرے اثرات مرتب نہیں کیے جتنے مذاہب نے کیے ہیں۔

مذاہب انسانی فطرت کا حصہ ہیں۔ ہم لاکھ انکار کریں یا اس سے دوری اختیار کریں۔ لیکن یہ تسلیم کیے بغیر چارہ نہیں کہ مذاہب نے انسانی زندگی پر مثبت اثرات مرتب کیے ہیں۔ یہ زندگی میں نظم اور ترتیب پیدا کرتے ہیں۔ مذہب ہماری معاشرتی زندگی کا ایسا ناگزیر عنصر ہے کہ انسانی تاریخ کے ہر دور میں یہ فلسفے، علم الانسان، سماجیات اور نفسیات کا موضوع رہا ہے۔ ہمارے لیے ضروری ہے کہ ہم مذہب کو محض ایک سماجی ادارے کے طور پر نہ دیکھیں بلکہ اس کی برتر حیثیت کو بھی تسلیم کریں۔

قدیم دور میں مذہب کے مطالعہ کا طریقہ آج کل کے دور سے مختلف تھا اور اسے پہلے سے طے شدہ نظریوں پر پرکھا جاتا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ معلومات کی بہم رسانی کے ذرائع کم ہونے کی وجہ سے مختلف مذاہب کے اثرات چند علاقوں تک محدود رہتے تھے۔ اہل یورپ کو سیاحت، تجارت اور توسیع پسندی کے لیے جب دوسری قوموں سے واسطہ پڑا تو مذاہب کے بارے میں بھی تحقیق کا دائرہ وسیع ہوا۔

قدیم مذاہب کے بارے میں کئی صدیوں سے بہت کچھ لکھا جا رہا ہے، لیکن علم بشریات اور سماجیات کے ماہرین کے ہاں معلومات،

حقائق اور ثبوت ناکافی ہیں اس لیے مذاہب پر تحقیق کرنے والے کسی ایک نتیجے پر نہیں پہنچ پاتے۔ البتہ آسمانی مذاہب کو سمجھنا آسان ہے، کہ خدائے برتر نے مقدس کتابوں، الہی صحیفوں اور اپنے نیک بندوں کے ذریعے انسان کو سیدھی راہ دکھائی ہے۔ ان الہامی یا آسمانی مذاہب کو ماننے والوں کی تعداد اربوں میں ہے۔ ان مذاہب میں ایک داخلی ربط موجود ہے۔ روحانی تجربہ سب میں قدر مشترک ہے۔

انیسویں صدی کے آخری عشروں میں عمرانیات، نفسیات اور علم بشریات سے دلچسپی رکھنے والے جن ماہرین نے مذاہب پر تحقیق کی ان میں ای بی ٹائیلر، جیمز فریزر، سگمنڈ فرائیڈ اور روڈلف اوٹو زیادہ معروف ہیں۔ اب ہم مختصر ان کے نظریات اور افکار کا جائزہ لیتے ہیں۔

سرایڈورڈ برنٹ ٹائیلر

سرایڈورڈ برنٹ ٹائیلر (Sir Edward Burnett Tylor) (2 اکتوبر 1832-2 جون 1917ء) برطانیہ کے پہلے ماہر علم البشر (Anthropologist) ہیں۔ ان کے والدین کا تعلق ایک مسیحی فرقے کوئکر (Quaker) سے تھا۔ اس فرقے کے پیرو اسن پسند اور صلح جو تھے جو روایتی رسوم اور عقائد سے کنارہ کش رہتے۔ سولہ سال کی عمر میں انھوں نے سکول کی تعلیم مکمل کر کے باپ کے کاروبار میں ہاتھ بٹانا شروع کر دیا۔ کوئکر فرقے کا پیرو ہونے کی وجہ سے انھیں اعلیٰ تعلیم کے لیے، یونیورسٹی میں داخلہ نہیں مل سکا تھا۔ 23 سال کی عمر میں وہ تپ دق کے مرض کا شکار ہو گئے اور انھیں علاج کے لیے امریکا جانا پڑا۔ ہوانا (کیوبا کا صدر مقام) میں ایک بس میں سفر کے دوران ان کی ملاقات ایک شخص ہنری کرسٹی (Henry Christy) سے ہو گئی۔ کرسٹی بھی کوئکر فرقے سے تعلق رکھتا تھا۔ اس اتفاق ملاقات سے ان کی زندگی کا رخ بدل گیا۔ دراصل کرسٹی آثار قدیمہ اور نسلیات کا ماہر تھا۔ وہ میکسیکو کے قدیم ٹولٹک ثقافت (Toltec Culture) پر تحقیق کرنے میکسیکو جا رہا تھا۔ ٹولٹک میکسیکو کے قدیم حکمران تھے، اور انھوں نے ایک خاص تحریک کو پروان چڑھایا تھا۔ کرسٹی نے ٹائیلر کو بھی تحقیق پر آمادہ کر لیا اور وہ اگلے چھ ماہ اسی تحقیق پر لگے رہے۔ اب ٹائیلر کی زندگی کا رخ متعین ہو گیا اور وہ چھ ماہ بعد لندن لوٹ آئے۔

ٹائیلر نے انسان کی تہذیبی تبدیلیوں کو موضوع بنایا ہے۔ ان کے مطابق انسانی خصوصیات ترقی کرتی رہی ہیں اور وقت کے ساتھ ساتھ ان میں تبدیلیاں آئی ہیں۔ غاروں میں رہنے والے انسان سے لے کر آج کے جدید انسان تک جو تبدیلیاں رونما ہوئی ہیں ان کی کڑیاں مکمل طور پر غائب نہیں ہوئیں۔ یعنی یہ تبدیلیاں اور تہذیبی ترقی ان کی پہلی تصنیف کا موضوع ہیں۔ انہوں نے تحقیق جاری رکھی اور 1871ء میں ان کی دوسری تصنیف قدیم ثقافت (Primitive Culture) شائع ہوئی۔ یہ کتاب اگرچہ پہلے سلسلے کی کڑی ہے لیکن یہ اس لحاظ سے اہم ہے کہ اس میں انہوں نے مذہب کے ارتقا کے بارے میں اپنا نظریہ روح پرستی (Animism) پیش کیا۔

اگرچہ مذہب کی ابتدا اور اس کی حقیقت کے بارے میں گزشتہ دو ہزار سال میں بہت سے نظریے پیش کیے گئے لیکن ان میں ٹائیلر نے مذہب کی ابتدائی شکل کے بارے میں سائنسی انداز میں بات کی ہے۔ ٹائیلر نے مذہب کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے ”مذہب ماورائی قوتوں پر اعتماد کا نام ہے“۔ ان کا نظریہ یہ ہے کہ مذہب کا تصور انسان کے روجوں پر اعتقاد سے پیدا ہوتا ہے۔ جب کوئی شخص خواب میں ایسے رشتہ داروں سے ملتا اور بات چیت کرتا ہے جو مر چکے ہوتے ہیں یا زندہ تو ہیں لیکن دور دراز رہتے ہیں تو وہ روح کے وجود کا قائل ہو جاتا ہے۔ وہ خواب کو دواہم نہیں سمجھتا بلکہ حقیقت تصور کرتا ہے اور روح کے وجود پر اس کا یقین پختہ ہو جاتا ہے۔

قدیم انسان نے خوابوں سے یہ سیکھا ہے کہ انسان جسم اور روح کا مجموعہ ہے اور یہ روح کا تصور ہی اپنی مزم (روح پرستی) کی جان ہے۔ اگر نیند لہی ہو جائے تو روح بدن کے قالب میں واپس نہیں آتی اور موت واقع ہو جاتی ہے۔ اس طرح بدن تو بیکار ہو جاتا ہے مگر روح زندہ رہتی ہے۔ ٹائیلر اپنے مذہبی تصورات کو آفاقی قرار دیتے ہیں۔ ان کے مطابق یہ تصورات وحشی انسان کے زمانے میں ابھرے اور آج کے جدید دور میں بھی موجود ہیں۔ ٹائیلر کے ان نظریات کی تصدیق ان کے ہم عصر مفکرین نے کی۔ خاص طور پر ڈارون نے اس نظریے کو بہت سراہا ہے۔

سر جیمز جارج فریزر

سر جیمز جارج فریزر (Sir James George Frazer) (یکم جنوری 1854ء - 7 مئی 1941ء) برطانیہ کے ممتاز دانشور، علم الانسان کے ماہر اور مذہبی تاریخ کے محقق تھے۔ وہ ایک مذہبی گھرانے میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے گلاسکو یونیورسٹی اور ٹری نیٹی (Trinity) کالج کیسبرج سے تعلیم حاصل کی۔ انہیں دورانِ تعلیم قدامت پرستی (Classic) سے دلچسپی رہی۔ وہ ساٹھ برس تک ٹری نیٹی کے رفیق (Fellow) بھی رہے۔ انہیں اس بات کا یقین تھا کہ دنیائے بدلنے والے قدرتی قوانین کے تحت چل رہی ہے۔

ان کا نظریہ یہ ہے کہ ہر انسان اپنے عقائد کے مطابق ماورائی طاقتوں پر یقین رکھتا ہے اور اس یقین (ایمان) کے مطابق وہ عمل کرتا ہے۔ جارج فریزر کے مطابق جادو اس ترقی کے زینے پر پہلا قدم ہے۔ ان کا نظریہ یہ ہے کہ پرانے زمانے میں جس چیز کے جو جو پہلو نہ سمجھے جاسکتے تھے اسے جادو کا نام دے دیا جاتا تھا۔ انہوں نے مذہب کے بارے میں کہا تھا کہ مذہب کے کچھ پہلو نظر نہیں آتے اور اس طرح مذہب نے جادو کی جگہ لے لی ہے۔ لوگوں کو جب تک معلوم نہ تھا کہ ایک بیج سے درخت کیسے بنتا ہے وہ اسے جادو سمجھتے تھے جب کہ مذہب اسے خدا کی قدرت قرار دیتا ہے۔ اسی طرح اب سائنس کے کرشمے جادو لگتے ہیں۔ فریزر کے نظریات کے مطابق جادو، مذہب اور سائنس کی کڑیاں آپس میں ملی ہوئی ہیں۔

فریزر کے بقول مافوق الفطرت قوتوں پر یقین رکھنے سے دو قسم کے روئے پیدا ہوتے ہیں۔ ایک یہ کہ انسان قوتوں کو برتر قوت تسلیم کر لیتا ہے، ایسا کرنے سے وہ عاجزی اختیار کرتا ہے۔ وہ یہ سمجھتا ہے کہ اس کی فلاح ان طاقتوں کے ہاتھ میں ہے۔ اس طرح وہ منت، قربانی اور نذر و نیاز کے ذریعے ان طاقتوں کو راضی رکھنا چاہتا ہے۔ یہ سب مذہب کے دائرے میں آتا ہے اور دوسرا رویہ یہ ہے کہ وہ ان طاقتوں کو کنٹرول کرنا چاہتا ہے۔ یہ کچھ مذہب کی بجائے جادو کے دائرے میں آتا ہے۔

فریزر نے مذہبی تاریخ میں بھی نمایاں کام کیا۔ اس سلسلے میں ان کی دو کتابیں قابل ذکر ہیں لیکن ان کی تصنیف گولڈن بوہ (Golden Bough) کو اس لحاظ سے فوقیت حاصل ہے کہ وہ جدید ثقافت کا بنیادی حصہ ہے۔ یہ کتاب شاخ زریں کے نام سے دو ضخیم جلدوں میں اردو میں شائع ہو چکی ہے۔

سگمنڈ فرائیڈ

سگمنڈ فرائیڈ (Sigmund Frued) (6 مئی 1856ء - 23 ستمبر 1939ء) جرمنی میں پیدا ہوئے لیکن ابھی چار سال ہی کے تھے کہ ان کا خاندان وی آنا (آسٹریا) منتقل ہو گیا۔ وی آنا یونیورسٹی سے انہوں نے طب کی ڈگری حاصل کی، انہوں نے یونیورسٹی میں تعلیم کے دوران قدیم اور جدید علوم کا خوب مطالعہ کیا۔ تعلیم مکمل کرنے کے بعد انہوں نے ایک معالج جوزف برائر کے ساتھ مل کر نفسیاتی الجھنوں کے مریضوں (Hysteria Patients) کا علاج شروع کیا۔ انہوں نے مشاہدہ کیا کہ ہسٹریا کے مریضوں کو بھڑاس نکالنے دی جائے تو یہ مرض دور ہو جاتا ہے۔ انہوں نے ان مریضوں کے خوابوں کو بھی اہمیت دی۔ فرائیڈ کا خیال ہے کہ خواب اور ہسٹریا دونوں خوف کے ذریعے پیدا ہونے والے خیالات اور احساسات کا نتیجہ ہوتے ہیں۔

فرائیڈ کے مذہبی تصورات کے جائزے میں یہ بات پیش نظر رہے کہ انہوں نے اعصابی امراض کے شعبے میں کام کیا۔ تلیل نفسی ان کا ذریعہ علاج بھی تھا اور انسانی باطن میں چھپے ہوئے پوشیدہ حقائق کو جاننے کا ذریعہ بھی۔ انہوں نے شخصیت کے مختلف پہلوؤں کا جائزہ لیا اور حاصل شدہ معلومات اور تجربات کا اطلاق پوری انسانی زندگی پر کیا۔ اس طرح فرائیڈ معالج بھی ہیں، ماہر نفسیات بھی اور فلسفی بھی۔ مذہب کے بارے میں ان کے مذہبی نظریات کا آغاز تحلیل نفسی سے شروع ہوتا ہے اور ان کے مذہبی نظریات کو اسی پس منظر میں سمجھا جاسکتا ہے۔

فرائیڈ مذہب کو دائمہ قرار دیتے ہیں۔ دراصل مذہبی تصورات ان کے ذہن میں جڑ نہ پکڑ سکے۔ آخری عمر میں انہوں نے ”موسیٰ اور وحدانیت“ (Moses And Monotheism) کتاب لکھی جس میں یہودی مذہب پر اعتراضات کیے۔ یاد رہے کہ وہ خود یہودی تھے۔ وہ مذہب کی اس قوت کے مداح ہیں کہ مذہب کے زیر اثر اعلیٰ درجے کی تہذیب پروان چڑھتی ہے۔

فرائیڈ ٹوٹی مزم (مظاہر فطرت میں سے کسی قبیلے کا امتیازی نشان) کو مذہب کی ابتدائی شکل کہتے ہیں۔ فرائیڈ نے ٹوٹی پندی (Totemism) کو مذہب کی ابتدائی شکل قرار دیا ہے۔ قدیم تہذیبوں کے مطالعے سے پتا چلتا ہے کہ ہر قبیلہ مظاہر فطرت میں سے کسی چیز خصوصاً کسی جانور کو اپنا امتیازی نشان چن لیتا پھر اسے اپنے لیے وجہ امتیاز سمجھتا اور سارا قبیلہ اس کا احترام کرتا۔ اسے ٹوٹی مزم کہتے ہیں۔ فرائیڈ کہتے ہیں کہ مذہب خاندانی تجربے سے اخذ ہوا۔ جس میں بے بس بچہ جابر باپ کے رحم و کرم پر ہوتا ہے۔ والد اسے ہر سہولت اور تحفظ دیتا ہے اور اس کے بدلے میں احترام چاہتا ہے۔ وہ خدا پر ایمان کو ایک بے بس بچے کی بے بسی قرار دیتا ہے۔ فرائیڈ نے مذہب کے بارے میں شکوک و شبہات کا اظہار کیا۔ اس کے مذہبی افکار نے یورپ اور امریکہ کے حلقوں کو متاثر کیا۔

رڈلف اوٹو

رڈلف اوٹو (Rudlf Otto) (25 ستمبر 1869ء - 6 مارچ 1937ء) بہت سی خوبیوں کے مالک تھے۔ وہ الہیات کے استاد، مذہبی مفکر اور تاریخ دان تھے۔ انھوں نے انیسویں صدی کے اواخر اور بیسویں صدی کے ابتدائی پچیس تیس سالوں میں جو کچھ تحریر کیا اس کے اثرات آج بھی محسوس کیے جا رہے ہیں۔ اوٹو جرمنی کے شہر پیئن (Peine) میں پیدا ہوئے انہوں نے گوٹن جن (Göttingen) یونیورسٹی سے تعلیم پائی اور یہیں پڑھاتے رہے۔ اگرچہ وہ ملک کے قانون ساز ادارے کے رکن بھی رہے لیکن ان کی شہرت ان کے مذہبی افکار کی وجہ

سے ہے۔ ان کی ساری زندگی عیسائی الہیات اور دیگر مذاہب کی حقیقت اور مذہبی تجربے کی تفہیم میں مگزی۔

اوٹو کی مسیحیت کے علاوہ دیگر مذاہب میں دلچسپی اس قدر بڑھی کہ انہوں نے مذہبی تحقیق کے لیے ہندوستان، برما، چین، مصر، یروشلم اور دیگر کئی ممالک کے سفر کیے۔ انہیں ہندومت سے خصوصی دلچسپی رہی۔ اس لیے انہوں نے نہ صرف سنسکرت زبان سیکھی بلکہ اپنی کتاب ”باطنیت۔ مشرق و مغرب“ (Mysticism East And West) میں ہندومت اور مسیحیت کا تقابلی جائزہ بھی پیش کیا۔ انھیں ان اسفار کے دوران جو معلومات میسر آئیں ان سے انہیں دوسرے مذاہب کو سمجھنے میں مدد ملی۔

اوٹو نے کئی کتابیں تصنیف کیں لیکن ان میں سے داس ہیلنگ (Das Helinge) جس کا انگریزی ترجمہ (The Idea of The Holy) کے نام سے ہوا۔ اس میں مقدس ہستی کا تصور پیش کیا۔ یہ کتاب 1917ء میں شائع ہوئی۔ انہوں نے باطنی تجربے یا روحانی واردات کو مذہبی روایت کا مغز قرار دیا ہے۔ ان کے مذہبی نقطہ نظر کے مطابق مذہب میں روحانی تجربہ ہی مذہب کی جان ہے اور اس کے بغیر باقی سب ظاہری اعمال رسوم کا درجہ رکھتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ اس باطنی تجربے یا روحانی واردات میں غیبی قوت کا احساس تو کیا جاسکتا ہے مگر اس کی تہہ تک نہیں پہنچا جاسکتا۔ ان کے نزدیک یہ غیبی قوت پراسرار بھی ہے اور انسان پر اس کی ہیبت اور عرب بھی طاری ہوتا ہے جس کے نتیجے میں انسان میں عاجزی اور عقیدت جنم لیتی ہے۔ اوٹو کے یہ خیالات خدا پرستانہ مذاہب پر صادق آتے ہیں۔ دراصل اوٹو مذہبی تجربے کے غیر عقلی عناصر کو زیادہ اہم سمجھتا ہے۔ انہوں نے مذہبی تاریخ پر بھی کام کیا ہے۔

اوٹو کے تصنیفی کام کی تحسین کرنے والوں میں پرنسٹن فرے کے علاوہ فلسفی اور مذہبی تاریخ دان شامل ہیں۔ ان میں ہر ایک کو اپنے کام کی باتیں مل جاتی ہیں۔ زندگی کے آخری دس سالوں میں اوٹو نے چاہا کہ ماربرگ میں ایک عجائب گھر بنایا جائے جہاں مذاہب کا تقابلی جائزہ اس طرح لیا جائے کہ مردہ نوادہ کی بجائے زندہ عقائد واضح ہوں۔ مگر ان کی یہ آرزو پوری نہ ہو سکی۔ اوٹو 6 مارچ 1937ء کو اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔

مشق

(الف) درج ذیل سوالات کے مفصل جوابات لکھیے۔

i۔ مذہب کی فلسفیانہ، سماجی اور نفسیاتی تفہیم کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟

ii۔ درج ذیل شخصیات پر نوٹ لکھیے۔

(الف) سر جیمز جارج فریزر (ب) رڈلف اوٹو (ج) سگمنڈ فرائیڈ

(ب) مختصر جوابات لکھیے۔

1۔ مذہب کے لغوی معانی کیا ہیں؟

2۔ آسمانی مذاہب کو سمجھنا کیوں آسان ہے؟

3۔ ٹائیلر نے مذہب کی ابتدا کے بارے میں کس ثقافت پر تحقیق کی؟

- 4- ٹائیلر نے مذہب کی تعریف کن لفظوں میں کی؟
 5- جیمز فریزر کی معروف تصنیف کا نام کیا ہے؟
 6- سگمنڈ فرائیڈ نے کس معالج کے ساتھ مل کر ذہنی الجھنوں کے مریضوں کا علاج شروع کیا؟
 7- جیمز فریزر نے کس چیز کو ثقافتی ارتقا میں اہم خیال کیا؟
 (ج) درست جواب کی نشاندہی کیجیے۔

- 1- رڈلف اوٹو نے میں دلچسپی لی۔
 (ا) ٹوٹی ازم (ب) ایٹی مزم (ج) علم بشریات (د) غیر مسیحی مذاہب
 2- ذرائع ابلاغ کی ترقی سے مذہب کو کچھنے کا رجحان
 (ا) بڑھ گیا (ب) کم ہو گیا (ج) ختم ہو گیا (د) معمول کے مطابق رہا
 3- اوٹو کے خیال میں مذہب میں کو مغز کا درجہ حاصل ہے۔
 (ا) عبادت (ب) باطنی تجربے (ج) عقائد (د) مذہبی تحقیق
 4- نے مذہب کے ارتقا کے بارے میں سائنسی انداز اپنایا
 (ا) سگمنڈ فرائیڈ (ب) رابرٹ سن سمٹھ (ج) رڈلف اوٹو (د) ٹائیلر
 5- نے مذہب میں جادو کو اہمیت دی۔
 (ا) ٹائیلر (ب) سر جارج جیمز فریزر (ج) رڈلف اوٹو (د) سگمنڈ فرائیڈ
 6- داس ہیلنگ کے مصنف کا نام ہے۔
 (ا) فریزر (ب) اوٹو (ج) فرائیڈ (د) ٹائیلر
 (د) کالم (الف) کا رابطہ کالم (ب) سے کیجیے اور جواب کالم (ج) میں لکھیے۔

کالم (الف)	کالم (ب)	کالم (ج)
دنیا کی بہت بڑی آبادی	مشترک مسائل	
داس ہیلنگ	فریزر	
ای بی ٹائیلر	آسمانی مذاہب	
ذرائع ابلاغ کی ترقی	اوٹو	
شارخ ذریعہ	روح پرستی	
	سگمنڈ فرائیڈ	

(ہ) طلبہ کے لیے سرگرمیاں

- 1- سبق میں مذکور چار مفکرین میں سے ہر ایک کی تصویر، مختصر حالات زندگی اور مذہب کے بارے میں ان کا نقطہ نظر لکھ کر چارٹ بنائیں اور کمرہ جماعت میں آویزاں کریں۔

(و) اساتذہ کے لیے ہدایات:

- 1- اگر آپ ادارے میں مذہبی عجائب گھر بنانا چاہیں تو کیا کیا چیزیں رکھیں گے۔ طلبہ کی آرا بھی شامل کریں۔
- 2- ای بی ٹیلر کی زندگی کے حسین ”اتفاق“ کو ذہن میں رکھ کر طلبہ کو چند ایسے واقعات سنائیں جن سے کسی شخصیت کی زندگی کا رخ بدل دیا ہو۔



مذہب پر معاشرے کے اثرات

مذہب ایک معاشرتی ادارہ ہے۔ ہم معاشرے کی تاریخ کا مطالعہ کریں، یا مذہب کی تاریخ کا جائزہ لیں، تو ہمیں ہر دور میں مذہب اور معاشرہ لازم و ملزوم نظر آتے ہیں۔ مذہب معاشرے کے مسائل حل کرنا چاہتا ہے اور اس میں مثبت تبدیلی لانا چاہتا ہے۔ اسی طرح جب معاشرے میں تبدیلی کا عمل شروع ہوتا ہے، تو لازمی طور پر اس کے اثرات مذہب پر بھی مرتب ہوتے ہیں۔

قدیم دور میں بارہا ایسا ہوا، کہ ایک سلطنت یا ایک مخصوص آبادی میں عوام ایک مذہب کے پیروکار ہیں، لیکن والئی سلطنت نے مذہب تبدیل کر لیا۔ امرا اور سرداروں نے بادشاہ کی پیروی کی اور دوسرے لوگ بھی جوق در جوق اسی رنگ میں رنگے گئے۔ بظاہر تو ایک نیا مذہب معاشرے پر اثر انداز ہو رہا ہے، لیکن یہ معاشرتی تبدیلی دراصل پہلے مذہب پر اثر انداز ہوئی اور وہ کمزور ہو گیا اور بعض اوقات گردش زمانہ سے وہ مذہب ختم ہو گیا، یا اس قدر کمزور ہوا کہ اس کے ماننے والے چند افراد ہی رہ گئے۔ مذاہب کی تاریخ کا مطالعہ بتاتا ہے کہ ایک مذہب کو کروڑوں لوگوں نے قبول کیا اور کچھ عرصہ بعد اس کے ماننے والے چند لاکھ رہ گئے۔

مذاہب کے بانی نہ صرف اپنے مذہب کے بارے میں ہدایات دیتے ہیں، بلکہ وہ خود عمل کر کے بھی دکھاتے ہیں۔ جس کے نتیجے میں اُن کے زمانے میں اُس مذہب کے ماننے والوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا ہے۔ بلکہ اس مذہب پر عمل کرنے والوں کی تعداد بھی بڑھ جاتی ہے۔ جب بانی اس دنیا سے رخصت ہوتا ہے، تو افراد کے عمل میں کمزوری ظاہر ہو جاتی ہے۔ کئی معاشی اور معاشرتی عوامل مذہبی عقائد میں کمزوری پیدا کر دیتے ہیں اور مذہب کی گرفت کمزور ہو جاتی ہے۔ یہ بھی ہوتا رہا کہ نئے مذہب نے پرانے کے اثرات کم کر دیے۔

کوئی بھی مذہب فطرت کے جس قدر قریب ہوتا ہے، اس کے اثرات اسی قدر دور رس اور دیر پا ہوتے ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں، کہ الہامی مذاہب نے انسان کو نیک و بد سمجھا کر عمل کرنا فرد کی مرضی پر چھوڑ دیا ہے۔ اعمال کی جزا اور سزا کا معاملہ آخرت پر اٹھا رکھا ہے۔ کچھ لوگ مال و دولت کی حرص یا دوسری ترغیبات کی وجہ سے مذہب سے دور ہو جاتے ہیں۔ جب کہ کچھ لوگ عبادات میں مصروف رہتے ہیں اور دنیاوی معاملات میں مذاہب کی ہدایات پر عمل کرتے ہیں۔ جن مذاہب میں آخرت کا تصور موجود ہے۔ اُن کے پیروکاروں پر اُن مذاہب کے اثرات نسبتاً دیر پا ہوتے ہیں۔

مذہب پر معاشرے کے اثرات کا ایک پہلو اور بھی ہے۔ مذاہب اچھے برے کی تمیز سکھاتے ہیں، مگر بعض اوقات انسان اپنی خواہشات کو مذہب کا نام دے دیتے ہیں اور مذہب کو اپنی خواہشات کے مطابق بدلنا چاہتے ہیں۔ یوں رفتہ رفتہ عقائد بدلتے رہتے ہیں یہاں تک کہ مذہب کی صورت مسخ ہو جاتی ہے۔ یہ تو حالات کے مذہب پر اثر کی مثال ہے۔ مذہب بگاڑ کو سنوارنے اور مسائل کو حل کرنے میں مدد دیتا ہے لیکن یہ کمزور ہو جائے اور مسائل حل نہ ہو سکیں، تو کوئی تحریک اٹھتی ہے اور در عمل مذہب کے خلاف ظاہر ہوتا ہے۔ دراصل مذہب عدل و انصاف پر زور دیتا ہے اگر ایسا نہ ہو، تو انصاف سے محروم لوگ اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ جس کے نتیجے میں بہت سی معاشرتی اقدار بھی بدل جاتی ہیں۔

آج جب کہ دنیا میں ذرائع ابلاغ نے بہت ترقی کر لی ہے، تو دنیا کے فاصلے سمٹ گئے ہیں۔ وسائل ابلاغ کے ذریعے معلومات کی

تیزی سے تریل نے افراد اور معاشروں میں تبدیلی کا عمل تیز کر دیا ہے۔ خاص طور پر ثقافتی میدان میں تبدیلی بہت واضح ہے۔ مذہب جو کسی قوم کی ثقافت کا کلیدی جزو ہوتا ہے۔ اکثر اوقات اس کی تعلیمات پر عمل درآمد پوری طرح نہیں ہو رہا ہوتا جس کی وجہ سے معاشرہ طاقت ور اقوام کے زوردار ثقافتی حملے کی تاب نہ لاتے ہوئے آسانی سے تبدیلی کے عمل کا شکار ہو جاتا ہے۔ موجودہ دور میں معاشی و معاشرتی نظریات، سائنسی انداز فکر اور نفسیاتی افکار نے دنیا کے مختلف معاشروں کو متاثر کیا اور آزاد خیالی کی لہر نے کمزور قوموں کو فکری انتشار سے دو چار کر دیا ہے۔

ماضی میں قوموں کے عروج و زوال کا یہ انداز بھی سامنے آتا رہا، کہ کسی قوم کا مذہب اوہام سے جو جمل ہو گیا یا اس کی مذہبی توجیہات یا خود مذہب ترقی کے فطری انداز میں حائل ہو گیا، تو وہ مذہب کمزور ہو گیا۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ یا تو مذہب اور معاشرے کے لیے کوئی فکری اور نظریاتی تحریک اٹھی اور تطہیر کے بعد حالات کو درست کر دیا گیا، یا پھر کسی دوسرے مذہب نے اس معاشرے پر اثرات قائم کیے اور وہ معاشرے پر چھا گیا۔ جب لوگ نیا مذہب اختیار کرتے ہیں تو اپنی معاشرتی رسوم کو پوری طرح چھوڑ نہیں پاتے اور ایک مدت کے بعد وہ ریسن سرائٹا جی ہیں اور اس مذہب کو اصل حالت میں نہیں رہنے دیتیں۔

نیاپن، نئی باتیں سوچنا اور نئی چیزیں پسند کرنا انسان کی فطرت میں داخل ہے، یہ بھی مذہب پر اثر انداز ہوتی ہیں۔ اسلام بر عظیم میں آیا، بدھ مت پھیلا، جین مت نے اثرات قائم کیے لیکن کوئی مذہب بھی ہندو دھرم کے رسم و رواج کے اثرات سے نہ بچ سکا۔ بعض اوقات کسی نئے مذہب کو غیر موثر کرنے کے لیے حکومتیں اور قومیں سیاسی چالیں بھی چلتی ہیں۔

جب مذاہب کسی خاص خطے سے باہر نکلے تو ثقافت کی تبدیلی پائی۔ اب نئے معاشرے کی تعمیر نو (Reformation) میں دقتیں پیش آئیں۔ کہیں قبائلی نظام کے طرز حیات نے راستہ روکا اور کہیں پرانے مذاہب کی قدیمی روایات آڑے آئیں۔ اگر مذہب میں وسعت نظر اور کشش ہے تو وہ پھیلتا پھولتا جائے گا ورنہ ٹکراؤ کی شکل میں معاشرتی رسوم اور ثقافت مذہب کے پھیلاؤ میں رکاوٹ بنیں گی۔ الہامی مذاہب میں تو خدائے بزرگ و برتر نے جہاں اپنے بندوں کے ذریعے مذہب کو خیر بنا کر بھیجا وہاں کی ثقافت، ماحول اور جغرافیائی حالات کے مطابق احکام دیئے اور اس کے دیگر قوموں میں پنپنے کی محجاش اور چلک پزیری بھی رکھی۔ دیگر مذاہب بھی جہاں سے اٹھے اس کے مراکز وہیں اسی معاشرے میں رہے (ہندو مت کے تیرتھ ہند میں ہی ہیں)۔ مگر مسئلہ اس دھرتی سے باہر کا ہے جہاں آب و ہوا بدلتی ہے، خوراک بدلتی ہے، تو مذہب میں بدلتے حالات کے ساتھ بدل دینے کی محجاش رکھی گئی۔ جہاں اہل مذہب بعینہ ہوں وہاں مسائل پیدا ہوتے ہیں اور مذہب پر معاشرتی اثرات غالب آ جاتے ہیں۔

بعض اوقات معاشرتی دباؤ ایک اور رخ اختیار کرتا ہے اور وہ مثبت تبدیلی کا باعث بنتا ہے۔ جب مذہبی طبقے یا عوام مذہب کے بارے میں خدشات کا شکار ہوتے ہیں تو انھیں پھر سے خدا یاد آتا ہے۔ ان حالات کا اثر یہ ہوتا ہے، کہ وہ اپنے دین اور مذہب پر زیادہ سختی سے کاربند ہو جاتے ہیں۔ ظلم کا شکار مظلوم طبقہ اور زیادہ غلو ص نیت سے مذہب کی پابندی کرنے لگتا ہے۔ یعنی اصل کی طرف لوٹ آتا ہے۔ مختصر ا کہا جا سکتا ہے کہ معاشرے اور مذہب کے باہمی عمل سے ایک دوسرے پر اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ صدیوں سے ایسا ہو رہا ہے اور یہ سب کچھ تاریخ میں محفوظ ہے۔

مشق

(الف) درج ذیل سوالات کے مفصل جوابات لکھیے۔

- 1- مذہب پر معاشرے کے کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں؟
- 2- قدیم اور جدید دور میں مذہب پر معاشرے کے اثرات کا فرق واضح کیجیے۔

(ب) مختصر جوابات لکھیں۔

- 1- ملک کے سربراہ کے مذہب تبدیل کرنے کے اثرات کیا ہوتے ہیں؟
- 2- مذہب کے بانی کے بعد مذہب کی صورت حال میں کیا تبدیلی آتی ہے؟
- 3- عقیدہ آخرت سے کردار کیونکر متاثر ہوتا ہے؟
- 4- اپنی آرزوؤں کو مذہب کا نام دینے سے کیا ہوتا ہے؟
- 5- اہل مذہب اگر ضد کریں تو مذہب پر کیا اثر پڑتا ہے؟

(ج) درست جواب کی نشاندہی کیجیے۔

1- معاشرے کے بااثر طبقے کے نئے مذہب کو قبول کرنے سے

- | | |
|---------------------------------------|---|
| (i) عوام پرانے مذہب پر ڈٹ جاتے ہیں | (ii) پرانا مذہب کمزور ہو جاتا ہے |
| (iii) پرانا مذہب بالکل ختم ہو جاتا ہے | (iv) عوام بھی نیا مذہب قبول کر لیتے ہیں |
- 2- معاشی اور سماجی عوامل مذہب کو..... کرتے ہیں۔

(i) کمزور (ii) توانا

(iii) ملیا میٹ (iv) غیر موثر

3- عدل اٹھ جائے تو

- | | |
|---------------------------------------|---------------------------------------|
| (i) مذہبی اقدار بدل جاتی ہیں | (ii) عوام میں سخت رد عمل پیدا ہوتا ہے |
| (iii) معاشرتی اقدار تبدیل ہو جاتی ہیں | (iv) الف، ب، ج |

4- نیا مذہب اختیار کرنے کے بعد لوگ

- | | |
|---|---------------------------------|
| (i) پرانی مذہبی روایات بھول جاتے ہیں | (ii) معاشرتی ریسے چھوڑ دیتے ہیں |
| (iii) نئی اور پرانی رسوم ایک ساتھ چلتی رہتی ہیں | (iv) کوئی بھی نہیں |

(د) صحیح جملے کے سامنے ص اور غلط کے سامنے غ لگائیے۔

- 1- مذہب ادہام کا شکار ہو تو معاشرہ ترقی کرنے لگتا ہے۔
- 2- الہامی مذاہب ایک دوسرے کے متضاد نظریات رکھتے ہیں۔
- 3- اگرچہ جدت پسندی انسان کی فطرت ہے۔ مگر مذہب پر اثر انداز نہیں ہوتی۔
- 4- مذہب کی قوت جاذبہ اس کے لیے مفید ہوتی ہے۔
- 5- معاشرے کے قبائلی نظام تبدیلی میں رکاوٹ بنتے ہیں۔

(ه) طلبہ کے لیے سرگرمیاں

- 1- مذہب پر اثر انداز ہونے والے عناصر کی ایک فہرست مرتب کریں۔ اثر کے لحاظ سے ان کی درجہ بندی کریں اور خوش خط لکھ کر مکرمہ جماعت میں آویزاں کریں۔

(و) اساتذہ کے لیے ہدایات:

- 1- مختلف مذاہب پر اثر انداز ہونے والے عناصر اور عوامل سے طلبہ کو آگاہ کریں۔
- 2- سوال و جواب کی نشست میں طلبہ کو بتائیں کہ الہامی مذاہب پر حالات کے کیا اثرات مرتب ہوئے؟



وحدتِ ادیان کا تصور

مذہب کی تاریخ کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی بھی دور مذہب کے وجود سے خالی نہیں رہا۔ نیز مذہب نے انسانی زندگی پر گہرے اثرات مرتب کیے ہیں۔ اگر بغور دیکھا جائے تو یہ مذہب ہی ہیں جو انسانی زندگی کو با معنی بناتے ہیں۔ آج بھی کروڑوں انسان مذہبی ہدایات پر صدقِ دل سے یقین رکھتے ہیں اور ان ہدایات پر عمل پیرا ہو کر نجات کے لیے پر امید ہیں۔ دنیا میں پائے جانے والے مذہبی نظریات میں باہمی فرق موجود ہے، لیکن یہ سارے مذہب انسان کو مساوات، ہمدردی، خدمتِ خلق، دیانتداری اور دیگر بہت سی اخلاقی تعلیمات دیتے ہیں۔ ان مختلف مذہب میں بہت سی باتیں مشترک ہیں۔

تمام بڑے مذہب کا بنیادی عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا اور اس کی رہنمائی کے لیے پیغام بھیجے۔ انھیں صحیفے دیے۔ ان رسولوں اور نبیوں نے ان ہدایت ناموں کی روشنی میں عمل کے ذریعے قوموں کی رہنمائی کی۔ مختلف زمانوں میں جو نبی آئے انھوں نے قوموں کو جو تعلیمات دیں، ان کا تفصیلی مطالعہ بتاتا ہے کہ وہ بنیادی طور پر ایک تھیں، لیکن ان میں قوموں کی ثقافتی اور سماجی زندگی اور جغرافیائی حالات کے حوالے سے کچھ فرق بھی تھا۔ ان تعلیمات کا مرکز اور اساس ایک ہی ہے۔ توحید ان سب میں قدر مشترک ہے۔ اسی لیے قدیم ادوار سے عصرِ حاضر تک انسانی رہنمائی کی بنیاد یہی ایک چلی آ رہی ہے۔

واضح رہے کہ الہامی مذہب تو ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں۔ زمانے کی ضروریات پوری کرنے اور معاشرتی بگاڑ درست کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے مختلف پیغمبر بھیجے۔ غیر الہامی مذہب کی بہت سی اقدار سراسر اخلاقی ہیں۔ جھوٹ سے بچنا، دوسروں کی حق تلفی نہ کرنا، عبادات میں باقاعدگی، دیانتداری، خدمتِ خلق وغیرہ پر سب ہی مذہب زور دیتے ہیں۔ گویا مذہب کی بہت سی اقدار میں یکسانیت اور مماثلت پائی جاتی ہے۔

اس کی توجیہ یوں بھی کی جاسکتی ہے کہ خارجی حقائق کے حوالے سے یہ مذہب الگ الگ نظر آتے ہیں۔ اعتقادات کی دنیا میں ایک دوسرے سے مختلف بھی ہیں۔ ان کے طریقہ ہائے عبادت بھی ایک دوسرے سے کم کم ملتے ہیں۔ ان کے ثقافتی مظاہر بھی یکساں نہیں، لیکن اندر سے ان کی سمت ایک ہے۔ وہ اعتقادات جن کا تعلق ماورائیت سے ہے۔ ان کے حوالے سے یہ مذہب کم از کم ایک بڑی بنیادی حقیقت پر متحد ہو جاتے ہیں، اسے ہی وحدتِ ادیان (Transcendental Unity of Religion) کہا جاتا ہے۔ وحدتِ ادیان ہی انسانی مساوات اور باہمی انسانی تعاون کی بنیاد فراہم کرتی ہے۔

دراصل تمام الہامی مذہب کی اصل ایک ہے۔ ان کے تصورات اور تعلیمات میں عصری تقاضوں کا خیال رکھا گیا ہے، کیوں کہ وہ مختلف زمانوں میں روشناس کرائے گئے۔ وہ روئے زمین پر ایک دوسرے سے مختلف فاصلوں پر رہنے والوں کے جغرافیائی خطے میں نازل کیے گئے مگر ان سب کی تعلیمات کا سرچشمہ ایک ہے۔ ان مذہب کا ذریعہ علم بھی ایک رہا ہے۔ انھوں نے جن صدائقوں کے تسلیم کرنے پر زور دیا وہ زمانے اور فاصلے کے بعد کے باوجود ایک ہیں۔ ہزاروں سال کے فاصلے کے بعد بھی الہامی مذہب کی تعلیمات کے نتائج میں مماثلت

پائی جاتی ہے۔ البتہ یہ ضرور ہوا کہ کسی مردہ نے بغاوت کی یا بنیادی تعلیمات میں اپنے پاس سے خارجی تصورات شامل کر دیئے تو مذہب کی شکل بدل گئی اور اگر وہ توہمات کا شکار ہوا تو نتائج بھی مختلف نکلے مگر ان مذاہب کی بنیاد ایک خدا کی عبادت اور اس کی واحدانیت ہی رہی۔ جب مذاہب کی بنیاد ایک ہے تو کہا جاسکتا ہے کہ مختلف خطوں میں آنے والے پیغام ہر ایک ہی پیغام لائے خواہ ان کا تعلق عرب، مصر اور ایران سے تھا یا جاپان، چین، ہندوستان، یورپ اور افریقہ سے یا دنیا کے کسی اور خطے سے، وہ ایک اعلیٰ ذات کے پیدا کردہ تھے۔

ارسطو نے بھی ایک فلسفیانہ تصور دیا۔ اس کے مطابق ایسی حقیقت جو مطلق نیکی یا فضیلت کے بارے میں ہے اس کا بیان کرنا آسان نہیں۔ البتہ وجدان سے اسے سمجھا جاسکتا ہے۔ ارسطو سے متاثر ہو کر مابعد کے فلاسفہ نے اس برتر حقیقت کو خدا کا نام دیا اور اسے فطرت (Nature) سے برتر کہا ہے اور اس کو یہودیت، عیسائیت اور اسلام میں بھی تسلیم کیا گیا ہے۔

مشق

(الف) مفصل جوابات لکھیے۔

- 1- مذاہب کے ماورائی اتحاد سے کیا مراد ہے؟
- 2- مذاہب کے مقاصد میں یکسانیت پائی جاتی ہے۔ بحث کیجیے۔
- 3- بڑے بڑے مذاہب کے بنیادی عقائد ایک ہیں۔ واضح کیجیے۔

(ب) مختصر جوابات لکھیے۔

- 1- مذاہب انسانی زندگی کو کیسے با معنی بناتے ہیں؟
- 2- مذاہب کی پانچ مشترک باتیں کون کون سی ہیں؟
- 3- مذاہب ایک دوسرے سے کن باتوں میں مختلف ہیں؟
- 4- اختلافات کے باوجود مذاہب کی کون سی بنیاد ایک ہے؟

(ج) درست جواب کی نشاندہی کیجیے۔

- 1- تمام پیغام بروں اور نبیوں کی تعلیمات.....

(ا) بظاہر ایک جیسی تھیں (ب) ایک دوسرے سے بالکل مختلف تھیں

(ج) بالکل ایک جیسی تھیں (د) بنیادی عقیدہ اور اقدار ایک جیسی تھیں

- 2- مذاہب میں ایک قدر مشترک ہے۔

(ا) توحید (ب) رسالت (ج) اقدار (د) نیکی

3- الہامی اور غیر الہامی مذاہب میں..... میں یکسانیت موجود ہے۔

(ا) عقیدہ توحید (ب) عبادات (ج) اخلاقی اقدار (د) عبادات اور اقدار

4- خارجی حقائق کے اختلاف کے باوجود ایک بنیادی حقیقت..... پر سب متحد ہیں۔

(ا) ماورائیت (ب) اصل (ج) وحدت ادیان (د) ذریعہ علم

(د) خالی جگہ مکمل کریں۔

1- الہامی مذاہب کی..... ایک ہے۔

2- اکثر مذاہب کی تعلیمات کا..... ایک ہے۔

3- مذاہب کی تعلیمات کے نتائج میں..... پائی جاتی ہے۔

4- ارسطو کے مطابق مطلق نیکی کو..... کے ذریعے ہی سمجھا جاسکتا ہے۔

5- مختلف مذاہب کا ذریعہ علم..... ہے۔

(ہ) طلبہ کے لیے سرگرمیاں

1- کتاب خانے جا کر مختلف مذاہب کی کتابوں سے وحدت ادیان کے بارے میں مطالعہ کریں۔

2- ایسے نکات نوٹ کریں جو وحدت ادیان کی بنیادیں فراہم کرتے ہیں۔

(و) اساتذہ کے لیے ہدایات:

1- طلبہ سے الہامی مذاہب کی مشترک نکات کی فہرست تیار کروائیں۔

2- الہامی اور غیر الہامی مذاہب کی مشترک اخلاقی اقدار کا چارٹ تیار کروائیں۔



مذہب اور سائنس

صدیوں پہلے کسی چیز کی قدر و قیمت کے تعین کے لیے انسان مشاہدے سے کام لیا کرتا تھا۔ وقت کے ساتھ ساتھ انسانی شعور نے ترقی کی تو تجربات کیے جانے لگے۔ سائنس کی طرف پیش قدمی جاری رہی، لیکن حقائق کو ترتیب دے کر باقاعدہ نتائج اخذ کرنا بعد کی بات ہے۔ یونان میں سائنس کی بجائے فلسفے سے علمی نظریے قائم کیے جاتے رہے۔ انسانوں میں کچھ اور بیدار پیدا ہوئی تو حقائق تک رسائی کا موجودہ سائنسی طریق اختیار کیا گیا۔ اب کسی مسئلے کے حل کے لیے پہلے مفروضے قائم کیے جاتے ہیں، غور و فکر اور مشاہدات کے بعد اعداد و شمار اکٹھا کر کے تجربات کیے جاتے ہیں اور تجربات کی کامیابی پر انہیں بار بار دہرا کر اصول بنائے جاتے ہیں۔ یہ سائنسی طریقہ کار ہے اور آج کے دور میں یہ حصول علم کا ایک اہم ذریعہ بن چکا ہے۔ گذشتہ صدی میں سائنسی انداز فکر کے بعد یہ سوال شدت سے اٹھایا گیا، کہ کیا مذہبی حقائق تک رسائی سائنس کے ذریعے ممکن ہے؟ بلکہ ایک طبقے نے زور دیا، کہ تجربے اور مشاہدے کی کسوٹی پر جو کچھ پورا اترے اسے مان لیا جائے اور باقی رد کر دیا جائے۔

کیا مذہب میں یہ سب کچھ ممکن ہے؟ کیا مذہب اور سائنس میں تضاد ہے اور یہ ایک دوسرے کے مخالف ہیں۔ کیا کوئی ذریعہ علم ایسا ہے جو تجربے کا بدل ہو سکتا ہے؟ یہ وہ سوالات ہیں جو انیسویں صدی میں سائنس ترقی کے بعد پہلے مغرب میں بعد ازاں ساری دنیا میں اٹھائے جانے لگے۔ مذہب کا تعلق صرف زمینی حقائق سے نہیں، بلکہ مابعد الطبیعیات سے بھی ہے۔ اس میں ایمان بالغیب اور اعتقادات کی بات ہوتی ہے اور اس کو سائنس کے ذریعے ثابت کرنا ممکن نہیں۔ مادی حقائق تک رسائی کا ذریعہ وحی ہے جس کے ذریعے خدا تعالیٰ جس کو چاہتا ہے یہ علم دیتا ہے اور تمام الہامی مذاہب میں حصول علم کا یہ ذریعہ مسلم ہے۔

زندگی کے حقائق جاننے اور دینی علوم کے ادراک کا ایک ذریعہ عقل انسانی ہے، مگر مادی حقائق تک اس کی رسائی نہیں ہے، البتہ اس کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ یہ معقول اور غیر معقول امور میں تمیز کرتی ہے۔ وحی کے سلسلے میں عقل صرف قرین عقل یا قابل قبول ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں فیصلہ دیتی ہے۔ اقبال نے اپنے فلسفیانہ مباحث میں اپنی رائے کا اظہار یوں کیا ہے۔

”یہ امر قابل غور ہے، کہ قرآن مجید اپنے متبعین میں حقیقت نفس الامری کا احترام پیدا کرتا ہے۔ اسی چیز نے آگے چل کر انہیں (مسلمانوں کو) جدید سائنس کا بانی بنایا۔ ایک ایسے دور میں جب کہ معرفت الہی کے لیے مشاہدات کو کوئی اہمیت نہیں دی جاتی تھی، یہ بہت بڑا کارنامہ ہے کہ مشاہدات و تجربات کے ذریعے عرفان حق پیدا کیا جائے۔“ (تفکیر الہیات جدیدہ، ص ۱۸)

سائنس اور مذہب کے حوالے سے ایک گروہ کا خیال ہے، کہ مذہب ہدایت، رہنمائی اور نجات کے لیے ہے۔ آسمانی کتب اور صحیفے رہنما اصول مہیا کرتے ہیں۔ جب کہ سائنس انسان کو سہولیات دیتی ہے اور اپنے علم کے حتمی ہونے کا دعویٰ نہیں کرتی۔ اس کے حقائق، تجربات اور مشاہدات کے باوجود بدلتے ہیں۔ اسی لیے یہ حتمی ذریعہ علم نہیں۔ جب کہ دوسرے گروہ کا کہنا ہے، کہ نظام فطرت سے سائنس جس طرح پردہ اٹھا رہی ہے اس سے سائنسی قوانین فطرت کو آشکار کر کے مذہبی حقائق کی تصدیق کر رہے ہیں۔ اس طرح وہ مذہب کی شارح بن رہی ہے۔ اس سلسلے میں ایک سائنس دان ایور کا کہنا ہے کہ مذہب کی جانی دشمن کے طور پر جنم لینے والی سائنس آشکارا اس کی عاجز

ترین خادمہ بن گئی ہے۔ فرق اتنا ہے کہ سائنس کیا ہے کا جواب دیتی ہے اور مذہب کیوں کا۔ بلکہ اس سلسلے میں کہا جاتا ہے کہ سائنس جزوی صداقت کا اعلان کرتی ہے۔ مثلاً یہ قانون فطرت ہے کہ چیزیں ٹھنڈی ہو کر سکڑتی ہیں جب کہ پانی برف بن کر پھیلتا ہے۔ یہ سائنس کی تجربہ شدہ حقیقت ہے۔ اب سائنس کہتی ہے کہ یہ پانی کی خاصیت ہے۔ مذہب اس معاملے میں کیوں ہے کا جواب دیتا ہے اور بتاتا ہے کہ پانی کی اس خاصیت کے نتیجے میں خالق نے اپنی آبی مخلوق کی بقا کی ضمانت دی ہے۔

مذہب کے احکام دراصل تجربیاتی رپورٹ نہیں ہوتے، بلکہ وہ صرف نوع انسان کے لیے ہدایت کا درجہ رکھتے ہیں۔ مذہب کہتا ہے کہ دودھ کا استعمال مفید ہے، شہد میں شفا ہے یا فلاں کام نہ کیا جائے۔ سائنس تجزیہ کر کے بتاتی ہے کہ دودھ اور شہد کے صحت مند عناصر اور پہلو کون کون سے ہیں۔ اس بات کا جائزہ بھی ممکن ہے کہ جس بڑے کام سے روکا جا رہا ہے اس کے طبی یا نفسیاتی نقصانات کیا ہیں؟ دراصل مذہب کی ہر بات کو سائنس کی کسوٹی پر پرکھنا تو ممکن نہیں، لیکن اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل دی ہے جو معقول اور غیر معقول امور میں تمیز کرتی ہے۔ ایک اخلاقی جس بھی انسان میں موجود ہے جو نیک و بد میں فرق کا شعور دیتی ہے۔ اسی طرح ایک روحانی جو ہر بھی انسان میں موجود ہوتا ہے۔

جب بظاہر نظر آنے والی چیزوں یا واقعات کے اسباب نامعلوم ہوں تو عقل سے کام لیا جاتا ہے۔ انسانی عقل و شعور ہی سے عقلی استدلال (Reasoning) ممکن ہوا۔ مذہب میں بھی یہ اہمیت رکھتا ہے۔ مثال کے طور پر مذہب کی ابتدا کے بارے میں کئی نظریے ہیں اور کئی دعوے اور بہت سے مدعی ہیں۔ ایک یہ کہ کائنات اور انسان کا خالق خدا تعالیٰ ہے۔ اس دعوے کے مدعی مختلف سرزمینوں سے اس دعوے کو وقفے وقفے سے دہراتے رہے۔ عقل ایسے دعوے کو قبول کرتی ہے۔ اسی طرح موت کے بعد زندگی کے بارے میں عقل اس بات کو تسلیم کرے گی کہ دنیا میں اچھے برے اعمال کی کامل جزا سزا ممکن نہیں تو پھر کہیں تو انصاف ضروری ہے۔ گویا مذہبی معاملات میں Reasoning کا جواز موجود ہے۔

محققین میں سے میکس ملر (Max Muller) کا خیال ہے کہ مذہب کے مظاہر کا احتیاط سے معائنہ کیا جائے۔ سائنسی انداز میں مفروضوں کا جائزہ لیا جائے اور گواہی (Evidence) کی بنا پر صحیح اور غلط کا فیصلہ کیا جائے تو مذہب کی وضاحت ممکن ہے۔ تاریخی تحقیق سے مذاہب کے ابتدائی تصورات اور اعمال کا کھوج لگایا جاسکتا ہے۔ ٹیلر نے ملر کے اس نظریے ”مذہبی سائنس“ (Science of Religion) کی تائید کی ہے۔ البتہ ملر نے یہ اعتراض بھی کیا کہ اس سے لانا ڈرنی (یہ عقیدہ کہ خدا کی حقیقت کوئی نہیں پاسکتا) کو تقویت ملے گی۔ دراصل مسئلہ مذہب تک سائنس کے ذریعے رسائی میں مشاہدے کے عقلی طریق (Empirical Method of Observation) اور مفروضوں کی تصدیق کا ہے۔ یہ مذہبی مظاہر وسیع اور گہرے ہیں۔ ان کے مطالعے کے لیے بڑی توجہ، بے تعصب تحقیق اور مختلف زاویوں سے تصدیق کی ضرورت ہوتی ہے۔ جب کہ بعض اوقات کچھ سائنس دان اس گہرے تجربے سے نہیں گزرتے۔

میری کیننگھم (Mary Kathileen Kinningham) نے بھی سائنس اور مذہب کا جائزہ لیا ہے۔ اس زاویے سے کہ اعداد و شمار اور نظریات سائنس کے اہم جزو ہیں اور مذہب میں بھی ایسا ہی ہے۔ سائنس میں خصوصی مشاہدہ اور تجرباتی اعداد و شمار کا طریقہ، لیکن اور طر کے عہد سے رائج ہے۔ بات مشاہدے سے شروع ہوتی ہے اور اعداد و شمار میں دیے گئے انداز سے جو صورتیں نظر آتی ہیں ان کی عمومیت

سے نظریہ بنایا جاتا ہے۔ اس انداز فکر پر تنقید کرتے ہوئے چار معیارات ضروری قرار دیے گئے ہیں۔

- 1- اعداد و شمار کے ساتھ مشاہدات کی مطابقت
- 2- ایک نظریے کی دوسرے نظریات سے مطابقت
- 3- جامعیت اور عمومیت
- 4- مستقبل کی تحقیقات کے لیے ڈھانچے کی گنجائش

مذہب میں اعداد و شمار مذہبی تجربات ہیں، جن میں تصورات و عقائد کا ایک ضابطہ ہے۔ یہ تخلیقی تخیل کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ تجربات کی بنیاد پر عقائد کو پرکھا نہیں کیا جاسکتا۔ کہانیاں اور رسوم دوسرے مسلمہ عقائد کے ساتھ مطابقت رکھتی ہیں۔ مذہب ظاہری مناجیم میں سائنس ہونے کا دعویٰ نہیں۔ البتہ سائنس کے اندر دریافت کی روح کو کسی حد تک ظاہر کر سکتا ہے۔ علم کی حدود وسیع ہو رہی ہیں اور انسانی شعور بھی مسلسل ترقی پذیر ہے۔ سائنس نے تحقیق کو وسعت دی ہے۔

مذہب اور سائنس کے میدان عمل الگ بھی ہیں، ایک بھی اور کہیں ایک دوسرے کے میدان عمل میں دخل (Overlapping) بھی ہیں۔ البتہ بنیادی فرق یہ ہے کہ سائنس اپنی ہی تحقیقات کو مزید تحقیقات کے بعد بدل دیتی ہے جب کہ مذاہب کے دیے گئے تصورات دائمی اور غیر متبدل ہیں۔ اس کی وضاحت ایک دو مثالوں سے ہو جاتی ہے۔

نظام شمسی کے بارے میں یونانیوں کے دور سے یہ نظریہ قائم رہا ہے کہ زمین ساکن ہے اور سورج، چاند اور دیگر اجرام فلکی اس کے گرد چکر لگا رہے ہیں۔ اٹھارہویں صدی کے آغاز میں کوپرنیکس، گلیلیو اور کپلر وغیرہ نے سورج کو ساکن اور زمین کو متحرک قرار دیا۔ جب کہ بیسویں صدی میں آئن سٹائن اور دیگر سائنس دانوں نے زمین، سورج اور دیگر اجرام فلکی کو متحرک قرار دیا۔ مذہب مثلاً قرآن مجید میں چودہ صدیوں سے اجرام فلکی کو متحرک قرار دیا ہے۔ (سورۃ 36 آیت 40)

اسی طرح ڈالٹن نے ایٹمی نظریہ پیش کیا اور بتایا کہ ایٹم ناقابل تقسیم ہے اور بعد میں جے جے تھامسن اور ردرفورڈ نے اسے قابل تقسیم قرار دیا۔ بیسویں صدی کے آغاز میں ایٹم کے مرکزہ میں الیکٹرون دریافت کیا گیا جب کہ 1932ء میں جم چیڈوک نے نیوٹران دریافت کر کے اور ہارزن برگ نے تجربات کے بعد الیکٹران کے نیوکلئیس میں نہ ہونے کی تصدیق کر دی، جدید نظریے کے مطابق مرکزہ میں نیوٹران اور پروٹان ہیں جب کہ الیکٹران اس کے گرد مخصوص دائروں میں موجود ہیں۔

ہو سکتا ہے تحقیقات اور دریافت کے طویل سلسلے کے بعد سائنس مزید تحقیقات کے بعد Refine ہو کر مذہب کے اور قریب آ جائے لیکن فی الحال مابعد الطبعیات سائنس کا میدان نہیں ہے۔

مشق

(الف) مفصل جوابات لکھیے۔

- 1- سائنس اور مذہب کے تعلق پر نوٹ لکھیں۔
- 2- (الف) میکس ملر کی تحقیقات کا جائزہ پیش کریں۔
- 3- میری کیتھولین کنگھم کی سائنس اور مذہب کے بارے میں آرا پیش کریں۔
- (ب) سوالات کے مختصر جوابات لکھیں۔

- 1- چیزوں کی قدر و قیمت کا قدیم طریقہ کیا تھا؟
- 2- سائنسی تحقیق کے چار اہم اقدامات کیا ہیں؟
- 3- مذہب کا ماورائی تصور کیا ہے؟
- 4- مذہب میں حصول علم کا سب سے اہم ذریعہ کیا ہے؟
- 5- سائنس دان الیور کا سائنس کے بارے میں کیا قول ہے؟
- 6- آثار کے اسباب معلوم نہ ہوں تو حقائق کس ذریعے سے معلوم کرتے ہیں؟
- (ج) درج ذیل سوالوں کے درست جواب پر نشان (✓) لگائیے۔

1- انسانی شعور کی ترقی کے بعد..... کا ایک نیا رجحان پیدا ہوا۔

(الف) مشاہدے (ب) تجربات (ج) فلسفے (د) تصوف

2- موجودہ سائنسی طریق کار..... صدی میں پیدا ہوا۔

(الف) اٹھارھویں (ب) انیسویں (ج) بیسویں (د) اکیسویں

3- مذہبی علوم کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔

(الف) عقل انسانی (ب) مشاہدات (ج) وحی (د) وجدان

4- مذہب کا بڑا مقصد ہے؟

(الف) سکون (ب) آسودگی (ج) نجات (د) مشاہدہ ذات حق

5- مذہب میں اعداد و شمار ہیں۔

(الف) مذہبی تجربات (ب) کہانیاں اور رسوم (ج) تصورات (د) کچھ بھی نہیں

(د) صحیح اور غلط کی نشان دہی کریں۔

- 1- سائنس کے اندر دریافت کی روح کو مذہب ایک حد تک دریافت کر سکتا ہے۔
- 2- میکس ملر سائنس کے ذریعے مذہبی حقائق کی دریافت کا قائل ہے۔
- 3- مذہبی حقائق کا تعلق نجات اور ہدایت سے ہوتا ہے۔
- 4- مذہبی اعتقادات کی تصدیق سائنسی تجربات سے ممکن ہے۔
- 5- سائنس قوانین فطرت کو آشکارا کر کے مذہب کی تصدیق کر رہی ہے۔

(ه) طلبہ کے لیے سرگرمیاں

- 1- ایسے عقائد کی فہرست تیار کریں جن کی تصدیق سائنس سے ممکن نہیں۔
- 2- دو گروہ بنا کر ایک مباحثہ کریں کہ سائنس اور مذہب میں ٹکراؤ نہیں۔

(و) اساتذہ کے لیے ہدایات:

- 1- طلبہ کو ان مذہبی حقائق سے آگاہ کریں جن کی سائنس تصدیق کر رہی ہے۔



پاکستان میں مختلف مذاہب

اسلامی جمہوریہ پاکستان مسلم اکثریت کی ریاست ہے۔ جس میں دیگر مذاہب کے پیرو غیر مسلم بھی آباد ہیں۔ پاکستان میں مسیحی، ہندو، بدھ، جین، پارسی، بہائی، کالاش اور دیگر مذاہب کے ماننے والے بستے ہیں۔ ان مذاہب کے پاکستانی شہری نہ صرف باہم مل جل کر امن و سکون سے رہتے ہیں بلکہ ان کے مسلمانوں سے تعلقات بھی مثالی ہیں۔ پاکستان کے سب شہری اس کے استحکام اور ترقی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں۔

اسلام

لغوی معانی کے لحاظ سے اسلام، اطاعت اور تسلیم و رضا کا دوسرا نام ہے۔ اسے دنیا کے بڑے مذاہب میں خاص مقام حاصل ہے۔ دنیا میں تقریباً ایک ارب ستادین کروڑ انسان مسلمان ہیں اور یہ دنیا کا دوسرا بڑا مذاہب ہے۔ اس کا نہ صرف اپنا اخلاقی نظام ہے بلکہ یہ پوری انسانی زندگی کا احاطہ کرتا ہے اور ایک مکمل ضابطہ حیات ہے۔

اسلام کی تاریخ قدیم بھی ہے اور جدید بھی۔ قدیم اس لیے کہ اسلام ہی تمام پیغمبروں کا مذہب رہا۔ جو بھی نبی یا رسول اس کائنات میں آیا اس نے اسی سلامتی کے مذہب کی تبلیغ کی۔ یہ سلسلہ حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہوا اور حضرت محمد ﷺ پر ختم ہوا۔ یہ مذہب اس حوالے سے جدید ہے کہ اسلام کی تاریخ کو خدا کے آخری نبی حضرت محمد ﷺ کی نبوت سے شروع کیا جاتا ہے۔ 570ء میں جب حضرت محمد ﷺ پر پہلی وحی نازل ہوئی تو گویا وہیں سے اسلام کی ابتدا ہوئی۔ مکہ مکرمہ میں ایمان لانے والوں کا جینا دو بھر کر دیا گیا، تو پہلے وہ حبشہ ہجرت کر گئے اور بعد میں انھوں نے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی۔ جب خود نبی ﷺ نے مدینہ منورہ کو مرکز بنالیا اور اسلامی ریاست قائم ہو گئی تو مسلمانوں کی تعداد بڑھتی گئی۔ اب بھی انھیں کئی ایک مشکلات کا سامنا رہا۔ مکہ والوں کے خلاف انھیں کئی جنگیں لڑنا پڑیں۔ منافقین اور یہودی قبائل کی طرف سے مسائل کھڑے کیے گئے، لیکن لوگ بڑی تیزی سے اسلام قبول کرتے گئے۔ یہ تاریخ کا حیرت انگیز واقعہ ہے کہ 23 سال کے مختصر عرصے میں ایک اسلامی ریاست نہ صرف قائم ہوئی بلکہ اس کی حدود میں بڑی وسعت بھی آئی اور پورا جزیرہ نما عرب مسلمانوں کے زیر نگیں آ گیا اور سارا نظام زندگی اسلامی تعلیمات کے مطابق چلنے لگا۔

خلفائے راشدین کے دور میں فتوحات کا سلسلہ جاری رہا۔ خلفائے راشدین کے بعد بنو امیہ کے دور حکومت میں بھی فتوحات کا سلسلہ جاری رہا۔ اس دور کی بڑی طاقتیں ایران اور روم، مسلمانوں کے زیر نگیں آ گئیں۔ اب اسلامی سلطنت کی سرحدیں ایشیا، افریقہ اور یورپ میں دور دور تک پھیل گئیں۔ مسلمانوں نے علم و ادب اور مختلف علوم و فنون میں تحقیقی کارنامے سرانجام دیے۔ خاص طور پر چین پوری دنیا کے

لیے علمی مرکز بنا رہا۔ بعد میں مسلمان زوال کا شکار ہوئے۔ اس وقت دنیا بھر میں ستاون ممالک میں مسلمان حکومت کرتے ہیں اور اسلام عیسائیت کے بعد اس وقت دنیا کا سب سے بڑا مذہب ہے۔

اسلام جس تیزی سے پھیلا وہ اپنی مثال آپ ہے۔ اس میں اس کی سادگی اور سماجی زندگی کے بارے میں نقطہ نظر کو بڑا دخل ہے۔ اسلام صرف عبادات کا حکم دینے پر اکتفا نہیں کرتا بلکہ وہ پوری زندگی کا لائحہ عمل دیتا ہے۔ وہ دین اور دنیا میں تفریق نہیں کرتا بلکہ دنیا داری کو دین کے ضابطوں کے تحت گزارنے پر زور دیتا ہے۔ دوسری اہم بات یہ ہے کہ اسلام کے بنیادی مآخذ محفوظ ہیں۔ اسلام کی الہامی کتاب قرآن مجید کا ایک لفظ نہیں بدلا گیا اور وہ اپنی اصلی نازل شدہ زبان میں محفوظ ہے۔ اسی طرح اپنے رسول کی ایک بات کو مسلمانوں نے تحقیق کے اعلیٰ معیار پر رکھ کر محفوظ کیا۔ احادیث رسول کی جانچ پھک اس اعلیٰ درجے پر کی گئی کہ اسے پوری دنیا میں تسلیم کیا گیا۔

جہاں تک اسلامی عقائد کی بات ہے، تو اسلام میں چند بنیادی عقائد ایسے ہیں جن کو مانے بغیر دائرہ اسلام میں داخلہ مکمل نہیں ہوتا۔ یہ اسلامی عقائد ایک حدیث، (حدیث جبریل) میں بڑے خوب صورت انداز میں پیش کیے گئے ہیں:

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے (اسی حدیث کی ایک دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت مجلس مبارک میں صحابہ کا ایک مجمع تھا اور حضرت محمد ﷺ اُن سے خطاب فرما رہے تھے) کہ اچانک ایک شخص سامنے سے نمودار ہوا جس کے کپڑے نہایت سفید اور بال بہت ہی زیادہ سیاہ تھے۔ اور اُس شخص پر سفر کا کوئی اثر بھی معلوم نہیں ہوتا تھا (جس سے خیال ہوتا تھا کہ یہ کوئی بیرونی شخص نہیں ہے) اور اسی کے ساتھ یہ بات بھی تھی، کہ ہم میں سے کوئی اس نووارد کو پہچانتا نہ تھا [جس سے خیال ہوتا تھا کہ یہ کوئی باہر کا آدمی ہے تو یہ شخص حاضرین کے حلقہ میں سے گزرتا ہوا آیا یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے سامنے آ کر دوڑا نو ہو کر اس طرح بیٹھ گیا کہ اپنے گھٹنے آنحضرت ﷺ کے گھٹنوں سے ملا دیے اور اپنے ہاتھ حضور ﷺ کی رانوں پر رکھ دیے اور کہا اے محمد ﷺ! مجھے بتلائیے کہ ”اسلام“ کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ”اسلام“ یہ ہے (یعنی اس کے ارکان یہ ہیں کہ دل و زبان سے) تم یہ شہادت دو کہ ”اللہ“ کے سوا کوئی ”الہ“ (کوئی ذات عبادت و بندگی کے لائق) نہیں، اور محمد ﷺ اس کے رسول ہیں، نماز قائم کرو، زکوٰۃ ادا کرو، ماہ رمضان کے روزے رکھو اور اگر حج بیت اللہ کی تم استطاعت رکھتے ہو تو حج کرو اس نووارد سائل نے آپ کا یہ جواب سُن کر کہا، آپ ﷺ نے سچ کہا اور اسی حدیث حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ ہمیں اس بات پر تعجب ہوا، کہ یہ شخص پوچھتا بھی ہے اور پھر خود تصدیق و تصویب بھی کرتا جاتا ہے اس کے بعد اس شخص نے عرض کیا اب مجھے بتلائیے کہ ”ایمان“ کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ایمان یہ ہے کہ تم اللہ کو اور اُس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں اور یوم آخرت یعنی روز قیامت کو حق جانو اور حق مانو اور ہر خیر و شر کی تقدیر کو بھی حق جانو اور حق مانو (یہ سن کر بھی) اس نے کہا، آپ نے سچ کہا اس کے بعد اس شخص نے عرض کیا، مجھے بتلائیے کہ احسان کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا احسان یہ ہے کہ اللہ کی عبادت و بندگی تم اس طرح کرو، گویا کہ تم اس کو دیکھ رہے ہو، کیونکہ اگرچہ تم اس کو نہیں دیکھتے ہو مگر وہ تو تمہیں دیکھتا ہی ہو، پھر اُس شخص نے عرض کیا مجھے قیامت کی بابت بتلائیے [کہ وہ کب واقع ہوگی؟] آپ ﷺ نے فرمایا کہ جس سے یہ سوال کیا جا رہا ہے وہ اس کو سوال کرنے والے سے زیادہ نہیں جانتا۔ پھر اس نے عرض کیا تو مجھے اس کی کچھ نشانیاں ہی

بتلائے؟ آپ نے فرمایا اس کی ایک نشانی تو یہ ہے کہ لونڈی اپنی مالکہ اور آقا کو جنے گی اور (دوسری نشانی یہ ہے کہ) تم دیکھو گے کہ جن کے پاؤں میں جوتا اور تن پر کپڑا نہیں ہے اور جو تہی دست اور بکریاں چرانے والے ہیں وہ بڑی بڑی عمارتیں بنانے لگیں گے اور اس میں ایک دوسرے پر بازی لے جانے کی کوشش کریں گے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ یہ باتیں کر کے یہ نووارد شخص چلا گیا، کچھ عرصہ گزر گیا، تو حضور ﷺ نے مجھ سے فرمایا، "اے عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ! کیا تمہیں معلوم ہے کہ وہ سوال کرنے والا شخص کون تھا؟ میں نے عرض کیا، اللہ اور اس کا رسول ہی زیادہ جاننے والے ہیں، آپ نے فرمایا کہ وہ جبریل علیہ السلام تھے۔ تمہاری اس مجلس میں اس لیے آئے تھے، کہ تم لوگوں کو تمہارا دین سکھا دیں" (صحیح بخاری)۔

اسلامی تعلیمات میں زندگی کے ہر شعبے کے بارے میں ہدایات موجود ہیں۔ اسلام میں عبادات اور معاملات کا آپس میں گہرا تعلق ہے۔ یہاں عبادت کا مفہوم یہ ہے کہ زندگی میں ایک ایک قدم محض اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لیے اٹھایا جائے۔ اُس کے بتائے ہوئے راستے پر چلنا عبادت ہے۔ اگر خدا کی ہدایات کے مطابق عمل ہو رہا ہے تو پھر کاشنکاری بھی عبادت ہے، تدریس بھی اور تمام امور دیگر بھی۔ اسلام جن عبادات کو فرض قرار دیتا ہے ان میں روزانہ پانچ وقت نماز قائم کرنا، رمضان کا پورا مہینہ روزے رکھنا، صاحب نصاب ہو تو زکوٰۃ ادا کرنا اور اسی طرح استطاعت ہو تو زندگی میں ایک دفعہ حج ادا کرنا۔ یہ تمام عبادات جہاں فرد میں تقویٰ پیدا کرتی ہیں، وہاں دولت جمع کرنے کو روکتی ہیں اور ایک عمدہ رفاہی معاشرے کے قیام میں مدد دیتی ہیں۔

افراد کے باہمی معاملات میں اسلام کے احکام موجود ہیں۔ مالی معاملات میں اسلام یہاں ایک طرف زکوٰۃ اور عشر (یعنی زرعی پیداوار کا دسواں حصہ) اللہ کی راہ میں غریبوں میں تقسیم کرنا، عید الاضحیٰ کے موقع پر قربانی کا گوشت تقسیم کرنا اور عید الفطر کے موقع پر صدقہ فطر لازم قرار دیتا ہے، وہاں دوسری طرف وہ صدقات و خیرات دینے پر بھی زور دیتا ہے، سود سے منع کرتا ہے اور ناجائز کمائی کے ہر ذریعے پر پابندی لگاتا ہے۔ اگر یہ سب کچھ کیا جائے تو غربت کا خاتمہ ہوتا ہے اور اجتماعی زندگی خوش حال اور بڑی خوش گوار ہو جاتی ہے۔ اسلام ہمسائے کے حقوق پر اس قدر زور دیتا ہے کہ جیسے وہ خونی رشتے میں بندھے ہوں۔

اسلام زندگی گزارنے کی جامع ہدایات دے کر رہنمائی کرتا ہے اور ان میں اس قدر وسعت ہے کہ ان کا مختصر ذکر بھی بہت طویل ہے۔ سلیقہ و تہذیب کے لیے اسلام میں صحت کے آداب، لباس کے آداب اور سفر کے آداب مقرر ہیں اور حسن بندگی کے لیے مسجد میں داخلے سے لے کر قبرستان میں جانے کے سلیقے اور طریقے بتائے گئے ہیں۔ معاشرت کی بہتری کے لیے دائرہ کار مقرر ہے۔ والدین کے حقوق مقرر ہیں اور اجتماعی زندگی میں میاں بیوی کے حقوق و فرائض کے دائرے مقرر ہیں حتیٰ کہ گفتگو، خط و کتابت اور مہمان نوازی کے آداب بھی بتائے گئے ہیں اور دوسروں کے حقوق کا ایسا جامع لائحہ عمل دیا ہے، کہ مریض کی عیادت کا حکم ہے اور نماز جنازہ کو فرض کفایہ قرار دیا ہے۔ دراصل اسلامی تعلیمات میں ایک فرد کی ذات اور ایک معاشرے کے لیے جامع ہدایات موجود ہیں۔ جو کردار سازی کر کے زندگی کو با مقصد بناتی ہیں اور ساری اسلامی اخلاقیات جہاں احترام آدمیت سکھاتی ہیں وہاں وہ مساوات اور اخوت کے ذریعے عمدہ معاشرے کی تعمیر بھی کرتی ہیں۔

اسلام میں بچے کی پیدائش پر خوشی کا اظہار کیا جاتا ہے۔ پیدائش کے بعد بچے کو گھٹی پلانا مسنون ہے۔ پھر بچے کے کان میں اذان دی

جاتی ہے۔ اس اذان میں اللہ کی کبریائی، اس کے لاشریک ہونے اور محمد صہم کے رسول ہونے کی شہادت دی جاتی ہے۔ ساتویں دن بچے کے سر سے بال اتروائے جاتے ہیں اور ان بالوں کے ہم وزن چاندی کی قیمت کا صدقہ دیا جاتا ہے اور بچے کا نام رکھا جاتا ہے۔ اور اس کا عقیقہ بھی کیا جاتا ہے۔ بچہ ہو تو عقیقہ کے لیے دو بکرے ذبح کیے جاتے ہیں اور بچی ہو تو ایک۔ یہ مالی حالت پر منحصر ہے۔ مالی وسعت نہ ہو تو تنگ دستی میں زیر بار ہو کر عقیقہ کرنا ضروری نہیں ہوتا۔ لوگ عموماً ہسپتال یا گھر میں بچے کی پیدائش کے ابتدائی دنوں میں ختنے بھی کرا لیتے ہیں۔ لوگ خوشی کے اظہار کے لیے بہت سی سرگرمیاں کرتے ہیں جنہیں اسلامی تعلیمات کے مطابق ہونا ضروری ہے۔

اسلام نے جہاں جینے کے سلیقے بتائے، وہاں میت کے حقوق اور اس کی تدفین کے طریقے اور آداب بھی بتائے ہیں۔ میت کی نماز جنازہ ادا کرنا فرض کفایہ قرار دیا ہے۔ مسلمان حالت نزع میں ہو تو اس کے پاس بلند آواز میں کلمہ طیبہ پڑھنے کا حکم ہے اور سورۃ یٰسین کی تلاوت کا بھی۔ موت کی خبر سن کر اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ پڑھنے کو کہا گیا ہے۔ میت کے غم میں چیخنے چلانے سے منع کیا گیا ہے البتہ آنسو بہانے سے منع نہیں کیا گیا۔

موت واقع ہونے کے بعد مردے کا منہ اور آنکھیں بند کر دیتے ہیں اور ٹانگیں اور بازو سیدھے کر دیتے ہیں۔ غیر ضروری کپڑے اتار کر ایک چادر میں لپیٹ دیتے ہیں۔ پاؤں کے دونوں انگوٹھے ملا کر باندھ دیتے ہیں اور ایک چوڑی پٹی ٹھوڑی کے نیچے سے گزار کر سر کے اوپر باندھ دیتے ہیں۔ مردے کو جلد دفن کرنے کا حکم ہے۔ اب پانی میں بیری کے پتے ڈال کر ہلکا گرم کر لیتے ہیں اور اس پانی سے مردے کو غسل دیا جاتا ہے۔ لکڑی کے تختے پر لٹا کر ایک تہہ بند ڈال کر پہلے استنجا اور پھر اسے وضو کرایا جاتا ہے اور غسل دینے کے مفصل احکام کے مطابق اُسے غسل دیا جاتا ہے۔ پھر غسل کے بعد سفید کفن پہنا دیا جاتا ہے کفن کے کپڑوں کی تعداد اور لمبائی چوڑائی مقرر ہے۔ اس کے بعد جنازہ اٹھا کر قبرستان لے جاتے ہیں۔ قبرستان تک پیدل جانا مسنون ہے۔ نماز جنازہ پڑھنا فرض کفایہ ہے۔ یہ میت کا حق بھی ہے۔ نماز جنازہ کے بعد میت کو قبر میں اتارتے ہیں۔ قبر شمالاً جنوباً بنائی جاتی ہے۔ اور قبر میں اُتار کر میت کا منہ قبلہ رخ کر دیتے ہیں۔ پھر قبر کو بند کر کے سرہانے کی طرف سے مٹی ڈالنا شروع کرتے ہیں اور تھوڑا سا پانی ڈال کر مٹی کو گھیلا کر دیتے ہیں۔

اس کے بعد قبر پر ایصالِ ثواب کے لیے قرآن مجید کی تلاوت کی جاتی ہے اور میت کے لیے نہایت عجز و اکساری کے ساتھ دعائے مغفرت کی جاتی ہے۔ میت کا سوگ تین دن تک مناتے ہیں۔ لوگ لواحقین سے تعزیت کرتے اور میت کے لیے دعا مغفرت کرتے ہیں۔ میت کے لواحقین کو تین دن تک کھانا دیکر عزیز و اقارب فراہم کرتے ہیں۔ جوان کے ساتھ غم گساری کا ایک عمدہ نمونہ ہے۔

(الف) مفصل جوابات لکھیے

1- حدیث جبریل میں کون سے اسلامی عقائد کا ذکر ملتا ہے؟

2- اسلام میں پیدائش اور موت کی رسوم کا خلاصہ لکھیے۔

(ب) مختصر جوابات لکھیں۔

1- اسلام کے لغوی معانی کیا ہیں؟

2- اللہ کے آخری نبی محمد پر پہلی وحی کب نازل ہوئی؟

3- اسلام کی مقبولیت کی دو وجوہات کون کون سی ہیں؟

4- حدیث جبریل کی وجہ تسمیہ کیا ہے؟

5- میت کو نہلانے کے بعد کیا پہناتے ہیں؟

(ج) درست جواب کی نشاندہی کیجیے۔

1- اسلام نام ہے..... کا

(ا) سلامتی اور اطاعت (ب) اطاعت اور عبادات (ج) تسلیم و رضا (د) اطاعت اور تسلیم و رضا

2- اسلام میں.....

(ا) دین اور دنیا الگ الگ ہیں (ب) دین اور دنیا ایک ہیں

(ج) دنیا داری دین کے اصولوں کے تحت ہے (د) دین دنیا داری کے تحت ہے

3- مسلمانوں کے عروج کے عہد میں..... بڑا علمی مرکز تھا۔

(ا) ترکی (ب) چین (ج) بغداد (د) دمشق

4- دنیا میں اس وقت..... مسلمان ملک موجود ہیں۔

(ا) 36 (ب) 46 (ج) 56 (د) 66

5- اسلام میں..... میں بڑا گہرا تعلق ہے۔

(ا) عبادات اور معاملات (ب) شریعت اور تصوف

(ج) عبادات اور اخلاقی اقدار (د) نظریے اور علم

(د) خالی جگہ پُر کریں۔

- 1- مکہ سے پہلے پہل ہجرت کرنے والے..... چلے گئے۔
- 2- اسلام میں عبادات اور..... کا آپس میں گہرا تعلق ہے۔
- 3- اسلامی دنیا میں یورپ میں..... ایک دور میں علم و ادب کا بڑا مرکز رہا ہے۔
- 4- اسلام زندگی گزارنے کی..... ہدایات دیتا ہے۔
- 5- اسلام میں میت کو..... دفن کرنے کا حکم ہے۔

(ه) طلبہ کے لیے سرگرمیاں

- 1- اسلام معاملات میں جو ہدایات دیتا ہے ان کی فہرست تیار کریں۔
- 2- بچے کی پیدائش پر مذہبی رسوم کے نکات ترتیب وار لکھ کر دوسروں سے تبادلہ خیال کریں۔

(و) اساتذہ کے لیے ہدایات:

- 1- اسلام میں عبادت کے تصور اور معاملات کا ربط قائم کر کے طلبہ کو بتائیں۔
- 2- اسلام اور سماجی زندگی کے موضوع پر ایک نشست کا اہتمام کریں اور طلبہ کو بتائیں کہ اس میں سادگی کا کردار کیا ہے؟



مسیحیت

مسیحیت نے مشرق میں جنم لیا، لیکن اسے مغرب میں عروج حاصل ہوا۔ اور اب یہ دنیا کی ایک بڑی آبادی کا مذہب ہے۔ اس وقت تقریباً دو ارب بیس کروڑ کے قریب افراد کا مذہب مسیحیت ہے۔ اس نے مشرق و مغرب میں انسانی معاشرت، سیاست، ادب، فلسفے اور فنون لطیفہ نیز زندگی کے دیگر متعدد شعبوں کو متاثر کیا۔ اگرچہ اٹھارھویں صدی میں کلیسا اور حکومت کے ککراؤ کے بعد مذہب کا عمل دخل فرد کی ذات تک محدود ہو کر رہ گیا۔ تاہم آج دنیا میں سب سے زیادہ انسان اس الہامی مذہب کے پیروکار ہیں۔

الہامی مذہب کی تاریخ بتاتی ہے کہ انسان کی رہنمائی اور ہدایت کے لیے خدائے بزرگ و برتر نے نبی اور رسول بھیجے۔ بنی اسرائیل میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد حضرت یسوع مسیح علیہ السلام کو انسانوں کی اصلاح کے لیے نبی بنا کر بھیجا گیا۔ یسوع مسیح علیہ السلام نے یہودی گھرانے میں جنم لیا اور وہ یہودی روایات سے پوری طرح آگاہ تھے۔

آپ نے ”خدا کی بادشاہی“ قائم کرنے کے لیے مذہب کی تبلیغ شروع کی۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں معجزات بھی عطا کیے۔ یسوع مسیح علیہ السلام مختلف علاقوں میں مسیحی تعلیمات کا پرچار کرتے تو ساتھ ساتھ معذوروں اور بیماروں کو بھی تندرست کرتے۔ ان معجزات اور ان کی غیر معمولی شخصیت نے لوگوں کو بہت متاثر کیا۔ ان کے وعظ میں خدا کی بادشاہی کے قیام، لوگوں کی اصلاح اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے پر زور دیا گیا ہے۔ وہ معاشرے کے ٹھکرائے اور دھککارے ہوئے لوگوں کے ساتھ اٹھتے بیٹھتے اور کھاتے پیتے تھے۔ اس طرح وہ معاشرے میں عجز و انکسار کا نمونہ بن گئے۔

جب یسوع مسیح علیہ السلام روحانی تجربے سے گزرے اور گلیل کی طرف روانہ ہوئے تو انہوں نے مختلف اوقات اور مختلف جگہوں سے اپنے شاگرد منتخب کیے جن کے ذریعے مسیحیت قدم بہ قدم ترقی کرتی رہی۔ ان کے نچلے طبقے سے تعلقات کو یہودیوں کے اعلیٰ طبقے نے نہ صرف برا محسوس کیا بلکہ اس پر ناراضی کا اظہار بھی کیا۔ یہاں تک کہ ان کے جانے والے اقدام نے یہودی علماء کو ناراض کیا۔ غریبوں کی حمایت اور حقوق کی پاسداری کرنے کی بناء پر انہوں نے مذہبی اور حکومتی قوتوں کو لٹکارا، جس کی پاداش میں انھیں گرفتار کیا گیا اور صلیب پر چڑھا دیا گیا۔ وہ مرنے کے تیسرے روز جی اٹھے اور اُن کی انجیل کے مطابق اپنے شاگردوں کے سامنے چالیس دن تک مختلف مقامات پر ظاہر ہوتے رہے۔

یسوع مسیح علیہ السلام کے آسمان پر اٹھائے جانے کے بعد ان کے حواریوں خصوصاً مقدس پولوس نے مسیحیت کی تبلیغ جاری رکھی۔ مصلحانہ نیر کے عہد (454-468) میں حواریوں کے سردار مقدس پطرس اور مقدس پولوس نے مسیحیت کے پھیلاؤ میں اہم کردار ادا کیا۔ انھیں شہید کر دیا گیا، لیکن مسیحیت پھیلتی ہی چلی گئی۔ چنانچہ مرکزی گرجا گھر روم میں قائم ہوا، اور 312ء کے بعد مسیحیت روم کا سرکاری مذہب قرار دیا گیا۔ رومن کیتھولک کلیسا مسیحی مذہب کا مرکز بن گئی۔ قسطنطنیہ (موجودہ استانبول) نے اختلاف کیا تو 1054ء میں آرتھوڈکس فرقہ وجود میں آیا۔ اور پھر مارٹن لوتھر نے سولہویں صدی عیسوی میں تحریک چلائی، جس سے پروٹسٹنٹ فرقہ وجود میں آیا۔ سو سال تک باہمی بھائی تازہ چلتا رہا۔ بعد ازاں مسیحیت کے سب فرقے اپنی اپنی حدود میں کام کرنے لگے۔

مسیحیت کے عقائد اور تعلیمات کو سمجھنے کے لیے اس مذہبی روایت کا جاننا ضروری ہے جس کا پس منظر یہودیت ہے۔ مسیحیت کے پردان چڑھنے میں سکندر اعظم کے جانشینوں اور رومیوں کے عروج کا دور زیادہ اہم ہے۔ یسوع مسیح علیہ السلام کے شاگرد یہودی نسل سے تھے اور انہی کے افکار مسیحیت کے پرچار کا سبب بنے۔

عہد نامہ جدید مسیحیت کا بڑا ماخذ ہے۔ یسوع مسیح علیہ السلام نے مسیحیت کی بنیاد خدائے بزرگ و برتر پر ایمان اور قلبی تعلق پر رکھی۔ یہودی عقائد میں خدا ایک آقا اور حاکم ہے، جب کہ یسوع مسیح علیہ السلام نے خدا کو آسمانی باپ کا درجہ دے کر اسے غریبوں اور گنہگاروں کے لیے شفیع اور رحم دل ہستی بنایا۔ اسی لیے یسوع مسیح علیہ السلام کی تعلیمات میں اخلاص، توکل اور ایثار و قربانی جیسی اعلیٰ اخلاقی صفات زیادہ ہیں۔ وہ انسانوں کے باہمی تعلقات کی بنیاد بھی محبت پر رکھتے ہیں۔ ان تعلیمات میں مساوات، غنودہ گر، عیب جوئی سے پرہیز، انکساری، دشمنوں اور ہمسایوں سے محبت زیادہ اہم ہیں اور نیت کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ ان کا انداز بیان تمثیلی ہے۔

عقائد یہ ہیں کہ یسوع مسیح علیہ السلام کو مصلوب کیا گیا، تین دن بعد وہ زندہ ہو گئے، اگلے چالیس روز تک وہ شاگردوں کو نظر آتے رہے اور آخر کار آسمان پر اٹھالیے گئے۔ قیامت کے قریب وہ انسانی رُوپ میں فرشتوں کے ٹھرمٹ میں آسمان سے اتریں گے اور حق و باطل کی لڑائی میں باطل کو شکست دیں گے۔ روح القدس کو مسیحیت میں خدا کی حیثیت حاصل ہے۔ حضرت یسوع مسیح علیہ السلام کی معجزانہ پیدائش اور انھیں پتھرمہ دیے جانے کے بعد روح القدس کا فاختہ کی شکل میں ان پر نازل ہونا، شیطان کے ذریعے کی جانے والی آزمائشوں سے بچنا اور روح القدس کے ذریعے سے انہیں روحانیت حاصل ہونا اور ان کا دوبارہ جی اٹھنا بھی روح القدس کے ذریعے سے ہی ہوا۔ انسان کی نجات اس میں ہے کہ وہ یسوع مسیح علیہ السلام کو ابن اللہ تسلیم کرے اور انھیں نجات دہندہ مانے۔

عقیدہ پاک تثلیث کا ذکر عہد نامہ جدید میں موجود ہے۔ مذہبی افہام و تفہیم سے اس عقیدے کے مطابق خدا کی ایک حقیقت تین اکائیوں میں مرکوز ہے کہ خدا تمام تخلیق اور ربوبیت کا سرچشمہ ہے۔ دوسرا خدا کا بیٹا جو یسوع مسیح علیہ السلام کی شکل میں موجود ہے اور تیسرا روح القدس جو مومنوں اور مسیحیوں میں سرایت کیے ہوئے ہے۔ نیز رہنمائی کا ذریعہ بھی ہے یہ تینوں ایک ہی ہیں یا تینوں میں ایک ہے۔

مسیحیت میں بچے کی پیدائش پر خوشی کا اظہار کیا جاتا ہے۔ مذہبی رسوم کے مطابق والدین ہی بچے کا نام رکھتے ہیں۔ بعض لوگ پادری صاحب سے پوچھ کر بائبل مقدس سے نام کا انتخاب کرتے ہیں۔ پیدائش کے بعد بچے کو پتھرمہ دیا جاتا ہے۔ کیتھولک فرقہ کے مطابق پیدائش کے ایک ہفتہ کے اندر اندر بچے کو پتھرمہ دیا جاتا ہے۔ جبکہ دیگر مسیحی فرقوں میں بچے کو بالغ ہونے کے بعد پتھرمہ دیا جاتا ہے۔

جب کوئی نزع کے عالم میں ہو تو عزیز و اقارب روزہ رکھتے ہیں اور خصوصی دعائیں کرتے ہیں۔ مریض کو پاک تیل (استعمال سے پہلے تیل پر خصوصی دعا کر کے برکت دی جاتی ہے) کی مالش بھی کرتے ہیں۔ موت کے بعد سادہ پانی سے غسل دے کر، میت کو کفن پہنا کر سفید چادر میں لپیٹ دیتے ہیں اور لوہان کی دھونی دیتے ہیں۔ پادری صاحب انجیل مقدس سے مقررہ حصے کی تلاوت کرتے ہیں اور نماز جنازہ ادا کی جاتی ہے۔ آج کل میت قبرستان لے جانے کے لیے تابوت کا اہتمام بھی کرتے ہیں۔ تابوت قبر میں اتار کر سیسٹ سے ڈھانپ کر مٹی ڈال دیتے ہیں۔ اور تدفین کے بعد مرنے والے کے لیے بخشش کی خصوصی دعا کرتے ہیں۔

قبر پر کتبہ لگایا جاتا ہے۔ ہر سال تاریخ وفات پر مرنے والے کی برسی کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ کیتھولک مسیحیوں کے ہاں 2 نومبر کو مرنے والوں کی اجتماعی برسی کا اہتمام بھی کیا جاتا ہے۔ جس میں گزشتہ سال کے دوران مرنے والے تمام مسیحیوں کی بخشش کے لیے خصوصی دعائیں مانگی جاتی ہیں۔ قبرستان کو صاف کیا جاتا ہے۔ مزید برآں مرنے والے کی نجات کے لیے خیرات کا اہتمام بھی کیا جاتا ہے اور لواحقین خیرات اور دعا کا سلسلہ آئندہ سالوں میں بھی جاری رکھتے ہیں۔

پاکستان میں مسیحی محدود تعداد میں آباد ہیں۔ انھیں پوری مذہبی آزادی حاصل ہے۔ ان کی عبادت گاہیں تمام شہروں میں موجود ہیں۔ جو مسیحی فن تعمیر کا عمدہ نمونہ ہیں۔ مسیحی شہریوں کو پاکستان کے قانون ساز اداروں میں نمائندگی حاصل ہے اور دستور پاکستان مسیحیوں کو برابر کے حقوق عطا کرتا ہے اور انہیں برابر کے ووٹ کا حق بھی حاصل ہے۔ مسیحی برادری کو مخلوط ووٹ کا حق بھی حاصل ہے۔ پاکستان کی مسیحی برادری زیادہ تر کیتھولک مسلک کی قائل ہے اور وہ ٹیکس ان کا مرکز شد و ہدایت ہے۔

چرچ آف انگلینڈ کی طرح یہاں بھی چرچ آف پاکستان قائم ہے۔ جو پرنسٹن فرقہ کی نمائندہ تنظیم ہے۔ وہ بھی اپنی مذہبی سرگرمیاں پاکستان میں آزادی سے جاری رکھے ہوئے ہیں۔

مشق

(الف) مفصل جوابات لکھیے۔

- 1- پاکستان میں موجود مسیحی برادری کی صورت حال پر اپنے خیالات کا اظہار کریں۔
- (ب) مختصر جوابات لکھیں۔

1- اس وقت دنیا کا سب سے بڑا مذہب کون سا ہے؟

2- نیروبادشاہ کے دور میں شاگردوں کا سردار کون تھا؟

3- یہودی علماء یسوع مسیح علیہ السلام کی کس بات سے نالاں تھے؟

4- مسیحیت کے تین بڑے گروہ کون کون سے ہیں؟

5- مسیحی فرقہ کیتھولک اجتماعی برسی کب مناتے ہیں؟

(ج) درست جواب کی نشاندہی کیجیے۔

1- اس وقت دنیا میں مسیحیوں کی تعداد..... ہے۔

(ا) سوارب (ب) دوارب (ج) تین ارب (د) سوادوارب

2- حضرت مسیح علیہ السلام کے بعد شاگردوں نے مسیحیت کی تبلیغ

(ا) ختم کردی (ب) جاری رکھی (ج) کم کردی (د) تیز کردی

3- حضرت مسیح علیہ السلام کے مصلوب کیے جانے کے..... بعد زندہ ہو گئے۔

(ا) دو دن (ب) تین دن (ج) چالیس دن (د) دو ماہ

4- بچے کی پیدائش پر مسیحی گھرانوں میں

(ا) اہم تقریبات منعقد کی جاتی ہیں (ب) موسیقی کا پروگرام ہوتا ہے
(ج) نام رکھتے اور ہتسمہ دیتے ہیں (د) کوئی خاص رسوم ادا نہیں کی جاتی

5- یسوع مسیح علیہ السلام کی تعلیمات میں..... پر زور دیا گیا ہے۔

(ا) اخلاص (ب) ایثار (ج) توکل (د) الف، ب، ج

(د) کالم (الف) کو کالم (ب) سے ملائیں اور جوابات کالم (ج) میں لکھیں۔

کالم (الف)	کالم (ب)	کالم (ج)
چرچ آف پاکستان	عہد نامہ جدید	
مسیح اور روح القدس	سرکاری مذہب	
بڑا ماخذ	قسط طینہ	
روم	پروٹسٹنٹ	
312ء	ایک ہو گئے	
	نیرو	

(ہ) طلبہ کے لیے سرگرمیاں

1- دنیا کا نقشہ دیکھ کر ان ممالک کی فہرست تیار کریں جن میں مسیحی برادری اکثریت میں ہے۔

2- حضرت مسیح علیہ السلام کی تعلیمات کے اہم نکات نوٹ کر کے ایک چارٹ بنائیں اور کمرہ جماعت میں آویزاں کریں۔

(و) اساتذہ کے لیے ہدایات:

1- خدمتِ خلق کے حوالے سے مسیحیوں کی خدمات طلبہ کو ذہن نشین کرائیں۔ مسیحی تعلیمات کے اخلاقی پہلو طلبہ پر واضح کریں۔



ہندو دھرم

ہندوستان قدیم انسانی تہذیب کا مرکز رہا ہے۔ آریاؤں کی آمد سے پہلے یہاں دراوڑی آباد تھے جن کی اپنی ثقافت کی مذہبی روایت واضح اور مہذب تھیں۔ تاہم مذہبی روایت کا آغاز آریاؤں کی آمد سے کیا جاتا ہے۔ ہندو دھرم کے ماننے والوں کی تعداد کروڑوں میں ہے اس لیے مذہب کی تاریخ میں اس کا ذکر ناگزیر ضروری ہے۔

ویدک دھرم اور اس کے بعد کی مذہبی روایت کو ہندو دھرم کہتے ہیں۔ جب ویدک دور میں لوگوں کا مذہبی رجحان بدھ مت کی طرف ہوا تو وید والوں کے لیے ضروری ہو گیا، کہ اس کی از سر نو تنظیم کریں۔ چنانچہ ویدک دھرم میں بنیادی تبدیلیوں کے بعد اسے ہندو دھرم کا نام دیا گیا اور سماجی نظام کو بھی اس میں شامل کر لیا گیا۔ اب ہندو دھرم کا دائرہ وسیع ہو چکا تھا۔ جس میں مذہبی اور سماجی دونوں نظام شامل تھے۔

ویدک دور میں برہمن کی مذہبی اجارہ داری قائم تھی اور وہ اس سے دست بردار ہونے کو تیار نہ تھے چنانچہ انھوں نے سری رامائن اور سری مہابھارت جیسی ضخیم کتب ایجاد کیں، جن میں دیوتاؤں کے کارنامے رزمیہ نظموں کی شکل میں پیش کیے گئے، کیونکہ یہ دراصل ہندو سماج اور آریہ سماج کی آمیزش سے ہندو دھرم کے پروان چڑھنے کی ابتدائی کہانی ہے۔ یہ کتب ہندو دھرم میں بہت اہم ہیں۔ سری مہابھارت میں سری بھگوت گیتا شامل ہے جو ہندو دھرم کی مقدس کتاب ہے اور اسے ویدوں جیسی اہمیت حاصل ہے۔

سری مہابھارت اور سری رامائن میں برہما جی مہاراج، وشنو جی مہاراج، شیو اور سری دیوی ماں کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ پہلے ویدک دور میں تمام دیوی دیوتاؤں کو خاصی اہمیت حاصل تھی، لیکن بعد کے دور میں لوگوں نے مختلف دیوتاؤں کو اپنے لیے مخصوص کر کے اپنی اپنی عقیدتوں کا مرکز بنالیا۔ اب ان دیوتاؤں کی تجسیم کی جانے لگی۔ 400 قبل مسیح سے 1200 عیسوی تک جو رجحانات پیدا ہوئے، ہندو دھرم آج انھی عقائد رجحانات اور رسوم پر مشتمل ہے۔ پہلے جہاں قربانی پر زور تھا اب وہاں پوجا پر زور زیادہ ہو گیا ہے اور افراد کا تعلق دیوتاؤں سے براہ راست ہو گیا۔

ہندو دھرم کی معلوم تاریخ میں یہ بات بڑی اہمیت رکھتی ہے کہ اس میں چلک بھی ہے اور قوتِ جاذبہ بھی۔ اس میں مختلف رسوم اور روایات کو اپنے اندر سمو لینے کی قوت موجود ہے یہی وجہ ہے کہ جو حملہ آور فاتحین ہندوستان آئے ان کی رسوم ہندو دھرم نے اپنا لیں۔ یہ بات بھی اہم ہے کہ کوئی فرد یا فرقہ جس دیوتا کو اپنے، وہ دوسرے دیوتاؤں کی مذہبی حیثیت سے انکار نہیں کرتا بلکہ ان کا بھی ادب و احترام کرتا ہے۔ کیونکہ سری کرشن جی مہاراج کا بھگوت گیتا میں قول ہے کہ جو کوئی جس کی بھی پوجا کرتے ہیں وہ درحقیقت میری ہی پوجا ہے۔

ہندو دھرم میں سری برہما جی مہاراج، سری وشنو جی مہاراج، سری شیو جی مہاراج، سری دیوی ماں، سری بھگوت گیتا، سری گنیش جی مہاراج، سری لکشمی دیوی، سری رام چندر جی مہاراج، سری کرشن جی مہاراج، سری پار پتی دیوی اور سری سیتا ماتا کی پوجا کی جاتی ہے۔

شمالی ہند میں سری وشنو بھگوان کی پوجا زیادہ اہم ہے۔ اس کے چار ہاتھ دکھائے گئے ہیں اور سری لکشمی دیوی کو اس کی بیوی بتایا گیا ہے۔ یہ زرخیزی اور دولت کی دیوی سمجھی جاتی ہے۔ سری وشنو بھگوان کو خدائے اعلیٰ سمجھا جاتا ہے۔ ہندو دھرم والے سری گوتم بدھ کو بھی اسی دیوتا

کے زیر اثر سمجھتے ہیں۔ سری نرسنگھ جی مہاراج، سری رام چندر جی مہاراج، سری کرشن مہاراج، سری شیو جی مہاراج، سری پاربتی دیوی اور دیگر سب اُس کے اوتار سمجھے جاتے ہیں۔ سری رام چندر جی مہاراج ساتویں اوتار ہیں۔ سری رام چندر جی کی بیوی سیتا کو سری لاکا کا راجا راون لے گیا تو رام چندر جی مہاراج نے اسے شکست دے کر اپنی بیوی کو چھڑا لیا۔ اس کی یاد میں ہندو دسہرہ کا تہوار مناتے ہیں۔ اس کے بیس دن بعد دیوالی کا تہوار منایا جاتا ہے۔ ماتا سیتا اور سری رام چندر جی مہاراج کے اجودھیا پہنچنے کی خوشی میں منایا جاتا ہے۔ سری رام چندر جی مہاراج اور ماتا سیتا کے کردار کے اثرات نے ہندو دھرم میں اخلاقیات کو پروان چڑھایا۔

سری کرشن جی مہاراج، سری وشنو بھگوان کا آٹھواں اوتار ہے۔ اس کو نصف خدا کا درجہ حاصل ہے۔ اور قدیم زمانے سے اُن کی پرستش کی جاتی رہی ہے۔ سری بھگوت گیتا میں سری کرشن جی مہاراج کی تعلیمات کا ذکر ملتا ہے۔ اور ارجن کے تھکے سری کرشن جی مہاراج کے مکالموں میں ہندو مذہب کا فلسفہ اور اخلاقی اصول بتائے گئے ہیں۔ اسی میں بھگتی یعنی خدا کی محبت میں خود کو فراموش کرنے کا نظریہ بھی شامل ہے۔

جنوبی ہند میں سری شیو بھگوان کی پوجا زیادہ ہوتی ہے۔ اسے تباہ کن صلاحیتوں کا مالک مگر نیک سمجھا جاتا ہے۔ اس کی پسندیدہ سواری نندی نامی بیل ہے۔ اس کے ماننے والے نندی بیل کو بھی مقدس سمجھتے ہیں اور اس کی مورتی مندروں میں رکھی جاتی ہے۔ سری شیو جی بھگوان کی بیوی سری پاربتی دیوی کو بھی ماں کا درجہ حاصل ہے۔ ہندو عقائد میں سری شیو بھگوان کا بیٹا سری گنیش جی مہاراج دیوتاؤں کی فوج کا سردار ہے مختصر یہ کہ ہندو عقائد میں سری برہما جی مہاراج، سری وشنو جی مہاراج اور سری شیو جی مہاراج بھگوان کے بڑے مظاہر ہیں۔

ہندو دھرم کے ماننے والے عقیدہ تاریخ کے قائل ہیں جس کے مطابق موت سے صرف جسم مرتا ہے اور روح بخون بدل کر کسی نئے قالب میں ظاہر ہو جاتی ہے۔ اگر اعمال بُرے ہوں تو حیوان کے روپ میں اور اگر اعمال اچھے ہوں تو بہتر انسان کے روپ میں آ جاتی ہے۔ جب تک انسانی خواہشات ختم نہیں ہو جاتیں اور تمام گناہوں کا کفارہ ادا نہیں ہو جاتا یہ چکر چلتا رہتا ہے۔ اور آخر کار روح عالم ارواح میں چلی جاتی ہے اور وہ تاریخ سے آزاد ہو جاتی ہے۔

ہندو دھرم میں آخرت کا واضح تصور موجود نہیں ہے اور نہ آخرت میں اچھے بُرے اعمال کی جزا و سزا کا نظام موجود ہے۔ ہندو دھرم کے مطابق اس دنیا میں اگلا جنم ہی اچھے یا بُرے اعمال کی جزا و سزا ہے۔ اور اگلے پچھلے نیز موجودہ جنم میں بھی جزا و سزا کا عمل جاری رہتا ہے۔ ہندو دھرم میں عقائد کی رنگارنگی ہے اور کئی ایک مذہبی فلسفے ہیں۔ اس لیے عبادت کے تصورات بھی مختلف ہیں۔ مثال کے طور پر فلسفہ یوگ میں جسمانی ریاضتوں پر زور دیتے ہیں۔ جب کہ فلسفہ ویدانت میں مراقبہ اور غور و فکر کے ذریعے عرفان حاصل کرنے پر زور دیا گیا ہے۔ عبادت کا مقصد ہی عبادت کا محرک ہوتا ہے۔ ہندو دھرم میں دنیا کو اگلے جنم کا تسلسل سمجھا جاتا ہے اور عبادت اس کی زرخیزی کا ذریعہ ہے۔ عبادت کا دوسرا مقصد دنیاوی ضرورتوں کا پورا ہونا ہے۔ اس لیے عبادت اس کے طلب کا ذریعہ بھی ہے۔

مندر، ہندو دھرم کی عبادت گاہ ہے۔ اسے خدا کا گھر بھی کہتے ہیں۔ اس کے اندر مورتیاں اور بت رکھے جاتے ہیں۔ مندر مقامی ضرورت کے مطابق بنائے جاتے ہیں۔ رقص و سرود، تالی پٹینا اور گانا بجانا بھی عبادت کا حصہ ہیں۔ اس لیے مندروں میں ان کی گنجائش رکھی جاتی ہے اور سچ بھی بنائے جاتے ہیں۔

خواتین گھروں میں عبادت کرتی ہیں۔ بڑے گھروں میں الگ سے عبادت کا کمرہ ہوتا ہے، جب کہ چھوٹے گھروں میں کسی کمرے کا کچھ حصہ عبادت کے لیے مخصوص کر لیا جاتا ہے۔ ہندو دھرم میں صبح سویرے اُٹھ کر اشان کرنا عبادت کا حصہ ہے۔ پھر مندر یا گھر میں بیٹھ کر پوجا کی جاتی ہے۔ مورتیوں کی سیوا، چراغ جلانا، مورتیوں کو غسل دینا، مقدس نشان لگانا، گھنٹیاں بجانا، کافور جلانا مورتیوں اور بتوں کو پھولوں اور زیورات سے آراستہ کرنا بھی پوجا میں شامل ہوتا ہے۔

بجھن اور گیت گانا نیز مورتیوں کے گرد چکر لگانا بھی عبادت کا حصہ ہیں۔ کچھ رسومات صرف مذہبی رہنما یعنی برہمن ادا کرتے ہیں۔ دعا مانگنا، جانوروں، کھجی اور غلے کی قربانی اور نذرانے دینا بھی عبادت کا حصہ ہیں۔ صندل اور چاول خاص طور پر مورتیوں کی خدمت میں پیش کیے جاتے ہیں۔ ہندو دھرم میں بچے کی پیدائش پر کئی قسم کی رسومات ادا کی جاتی ہیں۔ چھٹے دن نام رکھا جاتا ہے اور دان دھرم (خیرات) کیا جاتا ہے۔

ہندو دھرم میں موت کی رسومات میں جزئیات کا بڑا خیال رکھا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر آگ کے گرد چکر ہائیں سے دائیں لگایا جائے۔ چکر شروع کرنے سے پہلے دایاں گھٹنا جھکانا ہے۔ یہ رسومات دیوتاؤں کو خوش کرنے کے لیے ادا کی جاتی ہیں۔ زندہ لواحقین کے لیے ضروری ہے، کہ وہ مُردے کے سفر آخرت کا انتظام کریں۔

مرنے کے بعد مُردے کے بال اور ناخن کاٹ کر زمین میں دفن کر دیے جاتے ہیں۔ برہمن سوتلی سے ارتھی تیار کرتا ہے اور اسے کپڑے سے ڈھانپ دیا جاتا ہے۔ اس کے بعد مُردے کا بیٹا یا قریبی عزیز سر اور مونچھیں صاف کر کر مٹی کے کورے برتن میں پانی لے کر اشان کرتا ہے، اور کورے برتن کی ایک گڑوی سے مُردے کو غسل دیتا ہے۔ مُردے کے کپڑے گھر والوں یا شاگردوں کو دے دیتے ہیں یا کھڑے کھڑے کر کے بیٹوں میں بانٹ دیے جاتے ہیں۔ اب مُردے کو ایک پیراہن (کفن) پہنایا جاتا ہے۔ اس کے بعد مُردے کے ہاتھ پاؤں کے انگوٹھے باندھ دیے جاتے ہیں۔

ارتھی اٹھائی جاتی ہے تو ایک آدمی آگے آگے دیسی گھی سے جلائی ہوئی آگ لے کر چلتا ہے۔ اس کے پیچھے مُردے کو جھلانے کا سامان اور اس کے پیچھے ارتھی ہوتی ہے۔ ارتھی کے مرگھٹ (قبرستان) تک پہنچنے تک کئی اور رسوم بھی ادا کی جاتی ہیں۔ مرگھٹ میں چتا جلائی جاتی ہے اور مُردے کی لاش کو جھلانے سے پہلے اس کے منہ میں گنگا جل ڈالا جاتا ہے۔ چتا کے چاروں طرف چکر لگا کر گھڑے سے پانی کا چھڑکاؤ کیا جاتا ہے۔ تیسرے چکر کے بعد گھڑا پھینک دیا جاتا ہے، اور مُردے کا بیٹا یا قریبی عزیز چتا کو آگ دکھاتا ہے۔

مرنے والے کا دس بارہ دن تک سوگ منایا جاتا ہے۔ جب سوگ ختم ہو تو سب رشتے دار بال کنواتے ہیں۔ بارہ گھڑے پانی سے بھر کر ان پر سفید کپڑے اور مٹھائی رکھ کر برہمن کے گھر پہنچاتے ہیں اور کچھ رقم بھی برہمن کو دیتے ہیں۔ یہ مُردے کے لیے ایک سال کا سفری سامان تصور کیا جاتا ہے۔ بارہویں روز رشتے دار اور برہمن آخری بار مرنے والے کے گھر آتے ہیں۔ اس طرح موت کے بعد کی رسومات ختم ہو جاتی ہیں۔

(الف) مفصل جوابات لکھیں۔

- 1- ہندو دھرم کی تاریخ مختصراً لکھیے۔
- 2- ہندو دھرم کے عقائد اور تعلیمات کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟
- 3- ہندو دھرم میں موت کی رسوم کا حال لکھیے۔

(ب) مختصر جوابات لکھیں۔

- 1- ہندو دھرم کے ویدک دور میں کس کی اجارہ داری تھی؟
- 2- سری مہا بھارت اور سری رامائن میں ہندو مت کے بارے میں کس دور کے بارے میں بتایا گیا ہے؟
- 3- ہندو دھرم میں کن دیوتاؤں کو زیادہ اہمیت حاصل ہے؟
- 4- ہندو دھرم کی کامیابی میں کن دواہم باتوں کا دخل ہے؟
- 5- سری کرشن جی مہاراج، سری وشنو بھگوان کا کون سا دتار ہے؟

(ج) درست جواب کی نشاندہی کیجیے۔

- 1- ویدک دور میں لوگوں کا رجحان بدھ دھرم کی طرف ہوا تو انھوں نے
(ا) تبلیغ کا سلسلہ تیز کر دیا
(ب) بدھ مت کے خلاف مہم شروع کی
(ج) اپنے اصولوں پر سمجھوتہ نہ کیا
(د) تنظیم نو کو ضروری سمجھا
- 2- ہندو دھرم کی کامیابی کی بڑی وجہ اس..... ہے۔
(ا) قوتِ جاذبہ (ب) چلچک (ج) سماجی روایات کی قبولیت (د) الف، ب، ج
- 3- سری مہا بھارت اور سری رامائن میں..... کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔
(ا) سری برہما جی مہاراج (ب) سری وشنو جی اور سری لکشمی دیوی
(ج) سری شیو بھگوان (د) الف، ب، ج
- 4- ہندو دھرم میں مردے کے ناخن اتار کر..... ہیں۔
(ا) سنبھال کر رکھتے (ب) پانی میں بہاتے (ج) جلاتے (د) دفن کرتے

5۔ ہندو دھرم میں آخرت کا تصور نہیں ہے اس لیے کہ وہ

- (ا) اس کی ضرورت محسوس نہیں کرتے
(ب) عقیدہ تناخ کے بعد اس کی گنجائش نہیں رہتی
(ج) عبادت اور قربانی سے نجات حاصل کر لیتے ہیں
(د) اگلے جنم میں جزا سزا بھگت لیتے ہیں

(و) خالی جگہیں پُر کریں۔

1۔ ویدک دور میں..... کی اجارہ داری قائم تھی۔

2۔ ہندو مذہب میں بڑی..... اور قوتِ جاذبہ ہے۔

3۔ ہندو دھرم میں دنیا کو..... تصور کیا جاتا ہے۔

4۔ رقص، تالی بیٹنا اور گانا بجانا ہندو دھرم میں..... کا حصہ ہیں۔

5۔ ہندو دھرم میں مرنے والے کا..... دن سوگ منایا جاتا ہے۔

(ہ) طلبہ کے لیے سرگرمیاں

1۔ لائبریری میں جا کر ہندو دھرم کی تاریخ کے متعلق کتابیں پڑھیں اور کم از کم پانچ طلبہ مطالعے کے بعد جماعت کے دیگر طلبہ کو حاصل مطالعہ بتائیں۔

2۔ ایشیا کے نقشے میں ان ملکوں کی نشان دہی کریں جہاں ہندو اکثریت میں ہیں۔

(و) اساتذہ کے لیے ہدایات:

1۔ طلبہ کو بتائیں کہ آریاؤں کے بعد ہند میں مذہبی طور پر کیا تبدیلیاں آئیں۔

2۔ بھارت میں دیگر مذاہب (بدھ مت، جین مت وغیرہ) کے عروج اور پھر ہندو دھرم میں جذب ہونے کے بارے میں طلبہ کو معلومات دیں۔



زرتشتیت

اس مذہب کے بانی زرتشت چھٹی صدی قبل مسیح میں ایران میں پیدا ہوئے۔ اس مذہب کی تاریخ میں ان کے بچپن اور جوانی سے متعلق کئی کرامات کا ذکر ملتا ہے۔ انھیں بچپن ہی سے غور و فکر کی عادت تھی، چنانچہ دس برسوں صحراؤں اور پہاڑوں میں حقیقتِ اعلیٰ کی جستجو کرتے رہے۔ جب ان کی عمر تیس سال ہوئی، تو خدائے واحد سے ان کا مکالمہ ہوا۔ جس کی وجہ سے انہیں اس بات کا یقین ہو گیا کہ وہ خدا کے برگزیدہ بندوں میں سے ہیں۔

ان دنوں ایران میں بت پرستی عروج پر تھی۔ جب زرتشت نے بت پرستی کے خلاف اور خدا کی وحدانیت کی تبلیغ شروع کی، تو اسے مخالفت کا سامنا کرنا پڑا۔ سرکار نے بھی مخالفت کی۔ دس سال تک مشکلات کا سامنا کرنے کے بعد وہ مایوس ہو کر آبائی علاقے سے مشرقی ایران چلے گئے۔ یہاں خراسان اور شمالی افغانستان پر مشتمل ریاست کے حکمران نے زرتشت مذہب قبول کر لیا۔ اس کے ساتھ ہی امراء بھی زرتشت مذہب قبول کرنے لگے۔ زرتشت کا حوصلہ بڑھا اور اگلے 37 سال مبلغ کو مرکز بنا کر اس مذہب کی خوب اشاعت کی، اور یہ مذہب خوب پھلا پھولا۔ لاکھوں لوگوں نے اسے قبول کیا۔ مخاشی اور ساسانی دور حکومت میں یہ سلطنت کا سرکاری مذہب رہا۔ اب زرتشت مذہب نے ایک تحریک کی صورت اختیار کر لی اور آس پاس کے علاقوں میں رائج دیگر مذاہب کو متاثر کرنے لگا۔

زرتشت کے بعد جلد ہی اس مذہب سے انحراف شروع ہو گیا۔ عربوں کے ایران پر حملے کے بعد اسلام کی اشاعت عام ہو گئی اور وہ جس قدر پھیلتا گیا، زرتشتیت اسی قدر سست گئی۔ وہاں حالات بدلے تو کچھ لوگ ایران میں کرمان اور دشوار گزرا علاقوں میں جا آباد ہوئے۔ کچھ لوگ ہندوستان میں سورت اور دیگر علاقوں میں چلے گئے۔ اب یہ برصغیر میں پاری کہلائے۔ آج بھی ممبئی، کراچی، حیدرآباد اور ملتان میں ان کی کچھ تعداد موجود ہے۔

زرتشتیوں کے عقائد اور تعلیمات کے تاریخی جائزے سے پتہ چلتا ہے، کہ طویل عرصہ تک اس کے عقائد اور تعلیمات میں اضافے ہوتے رہے۔ جدید دور کی تحقیقات میں اُس زمانے کی تحریروں کو پڑھ لیا گیا ہے۔ اس کا میابی کے بعد پاری علماء نے بھی جدید تحقیق کی طرف توجہ دی ہے۔ اس تحقیق کے بعد ان کی مذہبی کتاب اوستا (Avista) کی گاتھاؤں کے نام سے منسوب تعلیمات کو تسلیم کر لیا گیا ہے۔ اب مسخ شدہ حقائق بھی واضح ہو گئے ہیں۔

گاتھاؤں کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ زرتشت کی تعلیمات میں خدائے واحد (اہورامزدا) کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ وہی حقیقی معبود، خالق کائنات اور مخلوق کا پالنے والا ہے۔ وہ ازلی اور ابدی ہے اور پورے اختیارات کا مالک اور علیم و بصیر ہے۔

خیر و شر کی کشش اس مذہب میں بڑی اہمیت رکھتی ہے اور یہ تعلیمات زرتشتیت کا اہم جزو ہیں۔ وہ خیر کو پسند کرتا ہے اور شر کو ناپسند۔ یہ عقیدہ ثنویت ہے۔ اس کے مطابق دو خدا ہیں ایک خیر کا جسے اہورامزدا (Ahura Mazda) (یزداں) اور دوسرا شر یعنی بدی کا خدا ہے جسے اینگرمینو (Angra Mainyu) (اھرمین) کہتے ہیں اور وہ حق سے برسرِ پیکار رہتا ہے۔ زرتشت نے سات مبرک شخصیات کا بھی ذکر کیا

ہے جو ہر امردا اور کائنات میں واسطے کا کام کرتی ہیں۔

زرتشت مذہب کے مطابق انسان ارادے میں آزاد ہے۔ وہ خیر کے ساتھ رہے یا شر کے ساتھ، اُسے آزادی حاصل ہے۔ زرتشت کے مطابق یہ دنیا دارالحمل ہے اور یہاں کے اعمال کا جواب مرنے کے بعد دینا ہوگا، اچھے اعمال کا اجر جنت اور برے اعمال کی سزا دوزخ ہوگی۔ زرتشتیوں کے ہاں اینگر و مینو شیطانی قوتوں کا علمبردار ہے۔ اس کی دو قوتیں زیادہ با اثر ہیں ایک غصے کا دیوتا اور دوسرا حسین خواتین کی شکل میں ہے جو پیر نکا کے نام سے موسوم ہے۔ ہر امردا پر اور اینگر و مینو نیچے پاتال میں رہتے ہیں، دونوں کا دائرہ کار متعین ہے۔

زرتشت نے ایک مقررہ وقت پر قیامت کے آنے کا تصور بھی دیا ہے۔ اس کے مطابق قیامت کے قریب ایک نجات دہندہ آئے گا جس کی سرکردگی میں خیر کو شرف فتح حاصل ہوگی اور دنیا کا خاتمہ ہو جائے گا۔ بعد ازاں حشر کا میدان لگے گا اور تمام مردے زندہ کر دیے جائیں گے اور جنت و دوزخ کے فیصلے ہوں گے۔ زرتشت کے مطابق برے اعمال کی سزا دوزخ ہے مگر ہمیشہ کے لیے نہیں۔ برے اعمال کی سزا پوری کر کے انسان جنت میں جائیں گے۔

زرتشت عقیدے کے مطابق انسان چاروں طرف سے اندھیروں میں گھرا ہوا ہے، لہذا اینگر و مینو سے بچنے کے لیے ہر امردا کی عبادت ضروری ہے۔ زرتشتیت میں عبادت سادہ ہے۔ اس میں کوئی پیچیدگی نہیں۔ وہ آگ کی پرستش کرتے ہیں۔ عبادت گاہ یعنی آتش کدے میں آگ روشن کرتے ہیں اور اس کے سامنے مقدس منتر پڑھتے رہتے ہیں اور بھجن گاتے رہتے ہیں۔ ان کے عقیدے کے مطابق اس سے خبیث روحوں کا زور جاتا رہتا ہے۔

وہ آگ، پانی اور ہوا وغیرہ کویزدانی قوت کا مظہر تصور کرتے ہیں۔ ان میں سے صرف آگ ہی کو پابند کیا جاسکتا ہے، اس لیے وہ آگ کو نورانی وصف کی وجہ سے لائق تعظیم جانتے ہیں۔ یہ انسان کو انجام کا احساس دلاتی رہتی ہے یعنی آخر کار ہر ایک انسان کو مٹی یا رکھ بن جانا ہے۔ دراصل آگ کی پرستش قدیم آریا روایت کا حصہ ہے اور اسے زرتشتیت میں مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ ایران کے آثار قدیمہ میں کئی آتش کدے ملتے ہیں۔ ان میں آگ روشن کرنے کے کئی ایک آداب مقرر ہوتے تھے۔ یہ آگ پانچ وقت روشن کی جاتی تھی۔ تہواروں میں اس کی شان میں اضافہ ہو جاتا تھا۔

ان کے ہاں پیدائش اور موت کی رسوم موجود ہیں۔ ان کے ہاں بچے کی پیدائش پر خوشی کا اظہار کیا جاتا ہے لیکن کوئی خاص مذہبی رسم ادا نہیں کی جاتی۔ البتہ موت کے بارے میں ان کے عقائد کے مطابق رسوم ادا کی جاتی ہیں۔ وہ ہوا، مٹی، پانی اور آگ کو تبرک سمجھتے ہیں۔ وہ لاش کو احتیاط سے درختوں کی چٹان بنا کر اس پر رکھتے ہیں یا اس مقصد کے لیے مینار بھی بناتے ہیں اور لاش وہاں رکھ دیتے ہیں جہاں پرندے اُسے کھا لیتے ہیں۔ ان کا نظریہ یہ ہے کہ مرنے کے بعد بھی ان کا جسم بھوکے پرندوں کی غذا کے لیے کام آسکے۔ سہولیات نہ ہونے کے سبب جہاں مینار نہیں ہوتے، وہاں وہ اپنی لاشوں کو جلانے یا دفن کرنے لگ گئے ہیں۔

(الف) مفصل جوابات لکھیں۔

- 1- زرتشت کی زندگی اور عقائد کے بارے میں نوٹ لکھیں۔
- 2- زرتشتیت کے عروج و زوال کے حالات بیان کریں۔
- 3- مختصر نوٹ لکھیں۔

i- اوستا ii- زرتشتیت میں موت کی رسمیں

(ب) مختصر جوابات لکھیں۔

- 1- زرتشت کب پیدا ہوئے تھے؟
- 2- زرتشت کو صحراؤں اور پہاڑوں میں کیا چیز لے گئی؟
- 3- زرتشت کے دور میں ایران میں کس چیز کو عروج حاصل تھا؟
- 4- زرتشتیوں کی مذہبی کتاب کا کیا نام تھا؟
- 5- زرتشتیت میں مردے سے کیا سلوک کرتے ہیں؟

(ج) درست جواب کی نشاندہی کیجیے۔

- 1- زرتشت کا خدائے واحد سے مکاشفہ..... سال کی عمر میں ہوا۔
(ا) 20 (ب) 30 (ج) 40 (د) 50
- 2- زرتشت نے مشرقی ایران میں..... سال تک اپنے مذہب کی تبلیغ کی۔
(ا) 30 (ب) 33 (ج) 37 (د) 40
- 3- پارسیوں کی مذہبی کتاب اوستا میں..... کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔
(ا) اہورامزد (ب) اینگر مینو (ج) خیر و شر کی کشمکش (د) سات جبرک شخصیات
- 4- یزدانی قوتوں میں سے آگ کی پرستش اس لیے کی جاتی ہے کہ.....
(:) ہوا کی روک مشکل ہے (ب) پانی کا متشکل ہونا ممکن نہیں
(ج) آگ کو پابند کیا جاسکتا ہے (د) آگ نورانی صفت رکھتی ہے
- 5- زرتشتی..... کو یزدانی قوت کا نمونہ تصور کرتے ہیں کو
(ا) آگ (ب) پانی اور مٹی (ج) ہوا (د) الف، ب، ج

(د) کالم (الف) کو کالم (ب) سے ملائیں اور جواب کالم (ج) میں لکھیں۔

کالم (الف)	کالم (ب)	کالم (ج)
آگ کی پرستش	سرکاری مذہب	
اہورا منردا	مچان	
اینگرو مینو	شر	
ساسانی دور حکومت	قدیم آریا روایت	
لاش	خیر	

(ه) طلبہ کے لیے سرگرمیاں

- 1- لائبریری یا انٹرنیٹ سے آتشکدے کی تصویریں حاصل کریں۔ اور مختلف تصویروں کا چارٹ تیار کریں۔
- 2- زرتشتیوں کے عقائد کی فہرست تیار کریں۔

(و) اساتذہ کے لیے ہدایات:

- 1- تختہ تحریر پر عہد زرتشت لکھیں۔
- 2- نقشے میں ان علاقوں اور ملکوں کی نشان دہی کریں جہاں کسی زمانے میں زرتشتوں کا زور رہا۔
- 3- زرتشتیت کے عقیدے خیر و شر کی کشمکش کے حوالے سے طلبہ کو بتائیں کہ یہ ہر مذہب اور ہر دور میں انسانوں میں جاری ہے البتہ مختلف مذاہب میں نام مختلف ہیں۔



سکھ مذہب

سکھ مذہب کا آغاز 1469ء میں ہوا۔ اس مذہب کے بانی بابا گر وناک دیو جی نے اپنے روحانی تجربے اور برسوں کی ریاضت کے بعد اپنی تعلیمات کو سادہ انداز میں پیش کیا۔ ان کے بعد آنے والے سکھ گروؤں نے اس مذہب کو ایک منظم تحریک کی شکل دی اور آخری گرو، گرو گو بند سنگھ جی نے یہ طے کر دیا، کہ ان کے بعد مذہبی کتاب 'گرنتھ صاحب' کو گرو کا درجہ حاصل رہے گا اور ہمیشہ اسی سے رہنمائی لی جاتی رہے گی۔ چنانچہ اب یہ گرنتھ صاحب گرو ہے اور اسے زندہ پاتشاہ کا درجہ حاصل ہے۔

سکھ مذہب کی تاریخ سے واضح ہوتا ہے کہ بابا گر وناک دیو جی نے سکھوں کو ایک جماعت کی شکل دینے کی کوشش نہیں کی البتہ ان کی شخصیت اور تعلیمات کے اثرات سب سے زیادہ مرتب ہوئے۔ وہ نہ صرف سکھ مذہب کے بانی ہیں بلکہ انھیں ہمیشہ کے لیے اس میں مرکزی اہمیت حاصل رہے گی۔ ان کے بعد دوسرے گرو، گرو انگد دیو جی نے نہ صرف ریکرتن اور لنگر کو جاری رکھا، بلکہ پنجابی زبان کے گریکھی رسم الخط کو اختیار کر کے سکھوں کا مذہبی تشخص قائم کیا۔ انھوں نے ادارہ سنگت قائم کیا جو گرو دوارے کی بنیاد بنی۔ تیسرے گرو گرو داس صاحب جی نے سکھوں کو ایک الگ جماعت کا تشخص دیا۔ بیساکھی کے موقع پر الگ تہوار کا آغاز کر کے ہندو روایت سے جداگانہ نظام قائم کیا۔ اس طرح سکھ مذہب پھلنے پھولنے لگا۔ سنی کی رسم کی مخالفت کی اور بیواؤں کی شادی پر زور دیا۔ چوتھے گرو گرو داس صاحب جی نے سکھوں کی شادی بیاہ اور مرنے کی رسومات بھی الگ کر دیں۔ امرت سر شہر کی بنیاد رکھی۔ اس شہر کے قیام سے سکھ مذہب کو پھلنے پھولنے کا مزید موقع ملا۔

پانچویں گرو، گرو وارجن دیو جی نے اپنا کلام شامل کرتے ہوئے گرو گرنتھ صاحب کو مکمل کیا۔ گرو دوارہ دربار صاحب (گولڈن ٹمپل) کو مکمل کیا اور دسوتھ (عشر) کا نظام رائج کیا جس سے سکھ مذہب کو معاشی استحکام حاصل ہوا۔ راوی اور بیاس کے درمیانی علاقے کے ہندو جاتوں نے سکھ مذہب اختیار کیا تو سکھ مذہب کو بڑی تقویت ملی۔ گرو گو بند سنگھ جی نے سکھ سنگت کو روحانی اور جنگی لحاظ سے مضبوط کیا۔ خاص طور پر خالصہ تنظیم کے ذریعے اسے بڑی قوت میسر آئی۔ انھوں نے کوہ ہمالیہ کے دامن میں بتیس سالہ قیام کے دوران وہاں کے راجاؤں سے جنگیں لڑیں۔ انھوں نے ہر سکھ کے نام کے ساتھ "سنگھ" اور سکھ خاتون کے نام کے ساتھ "کور" کا اضافہ کیا اور پانچ کاف (کڑا، کچھا، کنگھا، کیس اور کر پان) کے ذریعے سکھوں کا خاص تشخص قائم کیا۔ اگرچہ ان سکھ گروؤں کے عہد میں سکھوں کو سیاسی اقتدار نہ مل سکا لیکن یہ انہی کی کاوشوں کا نتیجہ تھا کہ آگے چل کر مہاراجا رنجیت سنگھ جی نے ایک مضبوط حکومت قائم کی۔ اب سکھ مذہب کے پیروکار ہندوستان کے مشرقی پنجاب اور صوبہ ہریانہ میں اہم اور فیصلہ کن سیاسی قوت ہیں اور برصغیر کے علاوہ برطانیہ، امریکہ، کینیڈا، جرمنی، روس اور دیگر ممالک میں بھی آباد ہیں۔

سکھ مذہب کے عقائد میں توحید کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ عقیدہ توحید نے ہی ہندو دھرم اور سکھ مذہب کے مابین حد فاصل قائم کی۔ سکھ خدا کی ذات اور صفات میں کسی کو شریک نہیں مانتے اور وہ ذات پات کے بالکل قائل نہیں۔ وہ تمام انسانوں کا احترام ضروری سمجھتے ہیں۔ ان کے عقائد میں دوسرے مذاہب کے مقدس مقامات کا احترام کرنا ضروری ہے۔ وہ انسانی جان کا احترام کرتے ہیں، اسی بنا پر انھوں نے سنی کی رسم کی مخالفت کی۔ سکھ مذہب ایک عوامی مذہب ہے۔ جس میں سادگی پر بہت زور دیا گیا ہے۔

بانی مذہب بابا گر ونا تک دیو جی کی تعلیمات میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر زور دیا گیا ہے۔ ان کی اجتماعی عبادت میں کیرتن شامل ہے جس میں باہم مل کر موسیقی اور خوش الحانی سے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان کرتے ہیں۔ خاص طور پر بچ جی صاحب کا پاٹھ کرتے ہیں۔ گر وگرنتھ صاحب کا پاٹھ سنتے ہوئے سامعین عقیدت میں ڈوبے اور مودب رہتے ہیں۔ یاد الہی کو بہتر بن (ورد) کہا جاتا ہے اور یہی عبادت کا مرکز و محور ہے۔ سکھ مذہب میں خدمتِ خلق اور غریب پروری پر بھی زور دیا گیا ہے۔

صبح سویرے اٹھ کر ایشان کے بعد گر وگرنتھ صاحب سے پانچ ہائیلوں کا پاٹھ کرتے ہیں۔ اور یک سو ہو کر یاد الہی میں محور ہتے ہیں۔ اسی طرح کیرتن بھی عبادت ہے۔ اس میں موسیقی کے ساتھ گر بانی پڑھی جاتی ہے۔

ان کی عبادت گاہ کو ”گر و دوارہ“ کہتے ہیں بلکہ جہاں بھی گر وگرنتھ صاحب موجود ہو وہ جگہ بے حد متبرک تصور کی جاتی ہے۔ وہ گر وگرنتھ صاحب کو زندہ پاتشا تصور کرتے ہیں اس کا پاٹھ گھر میں ہو یا گر و دوارہ میں، دونوں جگہیں عبادت گاہ کا درجہ رکھتی ہیں۔ گر وگرنتھ صاحب جس کمرے میں ہوں اسے گرمیوں میں آئیر کنڈیشنر لگا کر یا پٹکھے کے ذریعے سے ٹھنڈا رکھا جاتا ہے اور سردیوں میں کمرہ گرم رکھنے کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ وہاں کھیل اور خوب صورت رومالوں کا اہتمام بھی ہوتا ہے۔ سکھ مذہب کے تہوار بھی عبادت کا ذریعہ ہیں۔ لنگر کا اہتمام بھی دراصل عبادت کا حصہ ہے جس میں مذہب و ملت کے امتیاز کے بغیر ہر ایک شخص کو کھانا فراہم کیا جاتا ہے۔

اس عوامی مذہب میں رسومات کو زیادہ دخل نہیں۔ بچے کی پیدائش پر خوشی کا اظہار کیا جاتا ہے۔ ان کے عقائد کے مطابق ہر پیدا ہونے والا بچہ سکھ پیدا ہوتا ہے خواہ وہ کسی مذہب کو ماننے والے والدین کے گھر پیدا ہو۔ بچے کی پیدائش کے بعد جب گر وگرنتھ صاحب کا پاٹھ ہوتا ہے تو گمیا نی گر وگرنتھ صاحب کے حکمانے کے پہلے ایک یا دو حروف سے بچے کا نام رکھ دیتے ہیں۔ سکھ مذہب میں موت اور آخرت پر یقین ہے۔ موت کے بعد سکھ مذہب میں مردے کو ایشان دیتے اور کفن پہناتے ہیں۔ بری سکھ مٹی صاحب کا پاٹھ کیا جاتا ہے۔ ارداس (دعا) کے بعد مردے کو سمرن کرتے ہوئے شمشان گھاٹ لے جایا جاتا ہے اور یہیں پر اس کا ”سنگار“ کیا جاتا ہے۔ بعد ازاں کیرتن اور کیرتن سہیلہ کا پاٹھ کیا جاتا ہے اور اردس کے بعد سنگت گر و دوارے میں سراکھنڈ یا تھارمب کیا جاتا ہے جو اڑتالیس گھنٹوں تک مسلسل جاری رہتا ہے اور سنگتوں کے لیے لنگر کا بندوبست ہوتا ہے۔

مشق

(الف) مفصل جواب لکھیں۔

1- سکھ مذہب کے اہم عقائد پر مفصل نوٹ لکھیے۔

(ب) مختصر جوابات لکھیں۔

1- سکھ مذہب کے ماننے والے اب کس گرو سے رہنمائی لیتے ہیں؟

2- امرت سرشہر کی بنیاد کس گرو جی نے رکھی؟

3- دوستہ کا نظام کس ٹرڈ نے جاری کیا؟

4- سکھ عورت کے نام کا لاحقہ لکھیے۔

5- بانی سکھ مت کی تعلیمات میں کس بات پر سب سے زیادہ زور دیا گیا ہے؟

6- سکھ مذہب میں موت کے بعد آخری رسومات کیسے ادا کی جاتی ہیں؟

(ج) درست جواب کو نشان (✓) لگائیں۔

1- سکھ مذہب کا آغاز..... نے کیا۔

(ا) بابا ٹروناک دیو جی (ب) ٹروہرگو بند جی

(ج) ٹروگو بند سنگھ جی (د) ٹروانگد دیو جی

2- سکھ مذہب نے ہندو رسوم میں سے.....

(ا) سستی کی رسم کی مخالفت کی (ب) بیواؤں کی شادی پر زور دیا

(ج) مرنے کی رسوم کو قبول کیا (د) کسی ایک کو بھی نہ اپنایا

3- سکھوں کا..... سے الگ تشخص قائم ہوا۔

(ا) پانچ کاف (ب) نام کے لاحقے (ج) لگ رسم و رواج (د) الف، ب، ج

4- سکھ مذہب اور ہندو دھرم کے مابین..... نے حد فاصل قائم کی۔

(ا) عقیدہ توحید (ب) سستی کی مخالفت (ج) پانچ کاف (د) پیدائش اور مرنے کی رسوم

5- ٹروگرنتھ صاحب کو سکھ مذہب میں..... کا درجہ حاصل ہے۔

(ا) گیارہویں ٹروکا (ب) عبادت کے محور کا (ج) زندہ پاتشاہ کا (د) الف، ب، ج

(د) خالی جگہ پُر کریں۔

1- سکھ مذہب کے دوسرے ٹروکا کا نام..... ہے۔

2- سکھ مذہب کے عقائد میں..... کو بہت اہمیت حاصل ہے۔

3- یاد الہی کو..... کہا جاتا ہے۔

4- سکھ ٹروگرنتھ صاحب جی کو..... سمجھتے ہیں۔

5- کیرتن بھی..... کا ایک حصہ ہے۔

(۵) طلبہ کے لیے سرگرمیاں

- 1- سکھ مذہب کی اہم عبادت گاہوں کی تصاویر کا البم بنائیں۔
- 2- سکھ ٹروڈوں کے نام لکھ کر کمرۂ جماعت میں نمایاں جگہ پر لگائیں۔

(۶) اساتذہ کے لیے ہدایات:

- 1- ممکن ہو تو کسی سکھ سے طلبہ کو سکھ مت کے بارے میں انٹرویو کرائیں۔
- 2- سکھ مذہب نے اپنے پیروکاروں پر جو اثرات مرتب کیے ہیں۔ اس سے سکھوں میں جو خوبیاں پیدا ہوئی ہیں ان سے طلبہ کو آگاہ کریں۔



اخلاقی اقدار

اجتماعی عدل اور مساوات

(معاشرے اور ان کے اداروں کے محافظ)

اخلاق انسانیت کا وہ جوہر خاص ہے جس کے بغیر نہ کوئی فرد اچھا انسان بن سکتا ہے اور نہ مثبت بنیادوں پر کوئی معاشرہ پروان چڑھ سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خدائے برتر کے برگزیدہ بندوں نے بنی نوع انسان کو سنوارنے کا بیڑا اٹھایا تو اسی کی ہدایات کے مطابق افراد سے مخاطب ہو کر انہیں اخلاقی تعلیمات دیں۔ انہیں اندر سے بدلا اور پھر ان افراد نے جماعت کی شکل اختیار کی تو پورے معاشرے کو بدل ڈالا۔

تاریخ کے مختلف ادوار کا جائزہ لیں یا آج کے دور میں افراد، قوموں اور ملکوں کے باہمی تنازعات، جھگڑوں اور چپقلش کی وجوہات پر غور کریں تو یہ حقائق سامنے آتے ہیں کہ انسانی تعصبات ان سارے فسادات کی جڑ ہیں۔ انسان نے رنگ، نسل، زبان اور قومیت کی بنیاد پر اتنے فتنے کھڑے کیے ہیں کہ چاند پر کندیں ڈالنے اور ترقی کی انتہا تک پہنچنے کے باوجود انسانیت کے دکھوں میں اضافہ ہی ہوا ہے۔ امیر اور غریب کے لیے انصاف کے پیمانے الگ الگ ہونے سے اجتماعی عدل اور انسانی مساوات کے تصورات کو نقصان پہنچا ہے۔

اخلاقی اقدار، خاص طور پر ایسی اقدار جو مذہبی تعلیمات سے اخذ کی گئی ہیں۔ ان پر دنیا میں جہاں کہیں بھی عمل ہوا وہاں امن و آشتی، سماجی انصاف اور انسانی مساوات کا دور دورہ رہا ہے۔ مختلف مذاہب میں ایسی بے شمار مثالیں موجود ہیں کہ آقا و غلام کا فرق مٹ گیا اور رنگ، نسل اور قومیت کی ساری تفریق جاتی رہی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت بلال حبشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سیدنا بلال کہہ کر پکارتے تھے۔ اجتماعی عدل کے لیے آج بھی ایسی ہی اخلاقی تعلیمات کی ضرورت ہے۔

اجتماعی عدل اور انسانی مساوات کسی بھی معاشرے اور اس کے اداروں کے تحفظ میں بنیادی کردار ادا کرتے ہیں۔ یہ ایک طے شدہ حقیقت ہے کہ جن معاشروں میں عدل و انصاف کا بول بالا ہو وہاں لوگوں کے قلبی اطمینان کی وجہ سے ترقی کی رفتار بڑھ جاتی ہے۔ اس سے خوش حالی آتی اور امن و امان قائم رہتا ہے جبکہ امن اور سکون کی وجہ سے ایسے معاشرے تادیر قائم رہتے ہیں۔ اس کے برعکس جہاں جنس، نسل، رنگ اور قومیت کے امتیازات زیادہ ہو جائیں وہاں لوگوں کے دلوں سے ایک دوسرے کا احترام اٹھ جاتا ہے۔ اخلاقیات کمزور ہو کر ختم ہو جاتی ہیں، نیز نفرتیں اور کدورتیں بڑھ جاتی ہیں۔ آپ جانتے ہیں صرف رنگ و نسل کے امتیاز نے ٹیلس منڈیلا کو 27 سال تک جیل کی تک و تاریک کوٹھڑیوں میں رکھا اور اب بھی دنیا میں لاکھوں انسان تعصبات کا شکار ہیں۔

جنس کی بنیاد پر مرد و عورت میں امتیاز برتا جاتا ہے۔ حالانکہ یہ ایک حیاتیاتی عنصر ہے۔ اگرچہ عورت اور مرد کی جسمانی ساخت اور مزاج میں فرق ہے۔ قوت اور قوتِ کار کا فرق ہے اور ان کے دائرہ کار میں بھی فرق ہے لیکن اسے بنیاد بنا کر ترقی کے مواقع نہ دینا انصاف کے

خلاف ہے۔ مغرب میں عورت کو آزادی رائے، ترقی، حرکت اور روزگار کے یکساں مواقع میسر ہیں لیکن کوئی عورت اب تک امریکہ کی صدر منتخب نہیں ہو سکی۔ روزگار کے یکساں مواقع ملنے کے باوجود اعلیٰ دماغی صلاحیتوں کے کاموں میں وہ مردوں سے پیچھے ہے اور سائنس دانوں، فلسفیوں اور ادیبوں میں خواتین کی تعداد برابر نہیں۔ اس کے باوجود انہیں انتخابات میں حصہ لینے، کسی بھی شعبہ حیات میں آگے بڑھنے، دولت، قوت اور مراعات کے حصول کی مکمل آزادی ہے اور اس میں کوئی تعصب روا نہیں رکھا جاسکتا۔ جنس کی بنیاد پر امتیاز روا رکھنا نہ صرف قانوناً غلط ہے بلکہ اخلاقی تقاضوں کے بھی سراسر خلاف ہے۔

اخلاقی تعلیمات نفرت اور تعصب سے دور رہنے کا سبق دیتی ہیں۔ انسان نے جب سے مذہبی اور اخلاقی اقدار کو بھلا دیا ہے اس وقت سے تعصبات بڑھ گئے ہیں۔ اجتماعی شعور کی بیداری اور تعلیم یافتہ ہونے کے باوجود انسان ایک دوسرے کو تباہ کر رہے ہیں۔ جنگ عظیم دوم میں نازیوں نے نسلی تعصبات کی بنیاد پر دنیا کو روند ڈالا۔ افریقی نسل کے نیکرو افراد کو دو سو سال امریکی غلامی میں گزارنا پڑے اور جنوبی افریقہ کی گوری اقلیت طویل عرصے تک کالوں کی اکثریت پر جبر سے حکمران رہی۔ اسی طرح لسانی تعصب کی وجہ سے ایک دوسرے کی جان تک لینے سے گریز نہیں کیا جاتا۔ ان تمام نفسی بیماریوں کا علاج صرف اخلاقی تعلیمات سے ممکن ہے۔

تمام مذاہب اجتماعی عدل اور انسانی مساوات پر زور دیتے ہیں۔ مذہب تقدس کا حامل ایک سماجی ادارہ ہے جو سماج پر بہت سے اثرات مرتب کرتا ہے۔ یہ تعصبات اور طبقاتی کشمکش کی جڑیں کاٹتا ہے اور معاشرے میں اس سے امن اور خوش حالی آتی ہے۔ البتہ مختلف مذاہب میں فاصلہ بڑھ جائے یا رواداری ختم ہو جائے یا عوام مذاہب کی روح کے مطالبے سمجھنے سے قاصر ہوں تو مذہبی تعصب اجتماعی عدل میں رکاوٹ بنتا ہے اور انسانوں میں انتہا پسندی کو پروان چڑھاتا ہے۔

مختلف مذاہب نے اجتماعی عدل پر زور دیا ہے۔ یہودی عالم جو ناتھان ساکس کے مطابق اجتماعی عدل کو یہودی مذہب میں مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ اسی طرح عیسائیت کی سماجی تعلیمات میں اجتماعی عدل کو بڑی اہمیت دی گئی ہے۔ کیتھولک چرچ کی تاریخ میں بھی اجتماعی عدل کو بلند مقام حاصل رہا ہے اور اس کی تعلیمات کا نچوڑ یہ ہے کہ اجتماعی عدل سے ہی قومیں زندہ رہتی ہیں۔ یہاں تک کہا گیا کہ اگر جاگہری ذمہ داری ہے کہ وہ مہذب معاشرے (Civil Society) میں سماجی انصاف کے لیے اپنا کردار ادا کرے۔ سکھ مذہب انسانی خدمت اور باہمی مساوات پر بہت زور دیتا ہے۔

اسلام نے اجتماعی عدل اور انسانی مساوات کو نہ صرف تعلیمات میں سمویا بلکہ اسے عبادت کا درجہ دیا ہے۔ مالدار اور نادار کا فرق کم کرنے اور دولت کی ذخیرہ اندوزی روکنے کے لیے زکوٰۃ اور عشر کی ادائیگی فرض قرار دی ہے۔ صدقات و خیرات کی ادائیگی کو اعلیٰ درجہ کا عمل قرار دیا۔ لڑکیوں کو وراثت کا حق دار بنایا گیا اور سود سے منع کر کے معاشی استحصال کا راستہ روک دیا گیا۔ اسلام کے نظام عبادت میں چھوٹے بڑے کی تفریق کو ختم کیا گیا ہے خانہ خدا میں جو پہلے آئے وہ آگے جگہ پائے گا خواہ کوئی بھی ہو۔ وہ تمام انسانوں کو آدم کی اولاد کہہ کر انسانی مساوات پر زور دیتا ہے۔ اسی طرح آپ ﷺ نے اپنے آخری خطبے میں رنگ و نسل اور قومیت کی جڑ کاٹنے ہوئے فرمایا کہ کسی گورے کو کالے اور کسی عربی کو گجراتی پر اور نہ ہی کسی عجمی کو عربی پر کوئی فوقیت حاصل ہے نفیلت تو صرف پرہیزگاری کی بنیاد پر ملتی ہے۔ آپ ﷺ نے نہ صرف

غریبوں، یتیموں، یتیموں اور بے سہارا لوگوں کی مدد کا حکم دیا بلکہ خود اس کا عملی نمونہ بھی پیش کیا۔

صرف اسلام ہی نہیں دوسرے مذاہب بھی اخلاقی اقدار کے لیے ہمیشہ سے کوشاں رہے ہیں۔ مسیحیت نے خدمتِ خلق خصوصاً یتیموں کے علاج اور دیکھی انسانیت کی خدمت کے لیے روشن مثالیں قائم کی ہیں اور اس سلسلے میں وہ کالے یا گورے کی تمیز روا نہیں رکھتے۔ دور کیوں جائیں مدرٹریا نے ہندوستان میں جڈامیوں کے علاج کے لیے ہسپتال بنوائے اور انہوں نے ساری زندگی ناداروں اور ایسے طبقے کے لیے وقف کر دی جن کے کوئی قریب نہیں آتا تھا۔ اسی طرح سکھ مذہب میں غریبوں اور دیگر لوگوں میں پرشاد تقسیم ہوتا ہے تو اس میں مذہب، رنگ و نسل یا قومیت کی کوئی تمیز نہیں کی جاتی۔

سامراجی انصاف کی اعلیٰ مثالوں میں ایک واقعہ خلیفہ دوم حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور کا ہے۔ ایک قبائلی سردار نے اسلام قبول کیا اور بیت اللہ کے طواف کے دوران میں ایک بدو کا پاؤں اس کے احرام پر آگیا۔ سردار نے طیش میں آکر اسے تھپڑ مارا۔ مقدمہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس گیا تو انہوں نے سردار کو اسی طرح بدو سے تھپڑ رسید کروایا۔ وہ سردار سامراجی انصاف کو برداشت نہ کر سکا اور اسلام سے منحرف ہو گیا لیکن خلیفہ وقت نے اس کی کوئی پروا نہ کی۔

یہ اخلاقی اقدار افراد اپناتے ہیں اور افراد کا اخلاقی عمل معاشرے میں رونما ہوتا ہے۔ اس طرح اخلاقی اقدار فرد سے معاشرے میں اور معاشرے سے اقوام میں مقبول اور رائج ہوتی رہتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ تمام مذاہب کے اولین مخاطب افراد ہوتے ہیں اور وہ اپنا سارا اخلاقی نظام افراد پر نافذ کرتے ہیں۔



معاشرتی ادارے

دنیا میں جہاں کہیں ظلم ہو، تعصبات بڑھ جائیں یا انسانی مساوات کو ملیا میٹ کر دیا جائے، تو سمجھ لیں کہ وہاں انسان اخلاقی اقدار سے عاری ہو چکا ہے۔ ظلم حد سے بڑھتا ہے تو اسی معاشرے سے کچھ لوگ حالات کا رخ بدلنے کے لیے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور یہ بات طے ہے، کہ کوئی معاشرہ اچھے انسانوں سے بالکل خالی نہیں ہوتا۔ البتہ اجتماعی عدل کا قیام اور انسانی مساوات قائم کرنے کے لیے ادارے ضروری ہوتے ہیں۔ آج بھی معاشرے میں حکومتی، غیر حکومتی اور بین الاقوامی سطح پر ایسے ادارے قائم ہیں جو اجتماعی عدل اور انسانی مساوات کے لیے کوشاں ہیں۔

ریاستی ادارے:

ریاستی ادارے کسی ملک کے اندر قانون کی حکمرانی قائم کر کے سماجی انصاف اور انسانی مساوات قائم کرتے ہیں۔ ان میں مقتضہ قانون ساز ادارے ہوتے ہیں۔ ملک میں جمہوریت ہو تو عوامی مطالبات اور عدل و انصاف کے مطابق قانون سازی کی جاتی ہے لیکن کبھی کبھی حکمران طبقہ خود ایک فریق بن جاتا ہے مثلاً فیوڈل لارڈز اکثریت میں ہوں تو ایسے قوانین بناتے ہیں جو انہیں راس آتے ہیں۔ امیر اور غریب کا تفاوت بڑھ جاتا ہے۔ اسی طرح انتظامیہ اگر اخلاق سے عاری ہو تو رشوت اور سفارش کا دور دورہ ہے اور وہ انصاف نہیں کر پاتی۔ عدلیہ کا کردار سماجی انصاف اور انسانی مساوات قائم کرنے کے لیے ہی ہوتا ہے لیکن معاشرے کا بگاڑ زیادہ ہو اور آدے کا آدہ بگڑ جائے تو حالات اس کے قابو میں آسانی سے نہیں آتے۔

یہ ادارے رنگ، نسل اور قومیت کے امتیازات کو نہیں برت پاتے، کہ ملک کے اندر اور بین الاقوامی سطح پر انسانی حقوق کی تنظیمیں جاگ رہی ہوتی ہیں۔ البتہ تیسری دنیا کے نادار ملک جہاں جہالت بھی ہے اور عوام اپنے حقوق کا حقیقی شعور بھی نہیں رکھتے، وہاں طبقاتی کشمکش میں عدل اور مساوات کو نقصان پہنچتا ہے۔ یہاں یہ امر قابل توجہ ہے کہ بڑی بڑی آسامیوں پر بھرتی کرتے وقت مطلوبہ تعلیمی لیاقت دیکھنے کے علاوہ افراد کی اخلاقی ساکھ کا بھی کھوج لگایا جائے

مذہبی ادارے:

اخلاقی اقدار، مذہبی اقدار سے جنم لیتی ہیں۔ ان اقدار کی ترویج کے لیے مذہبی ادارے وجود میں آتے ہیں اور مذہبی ادارے ہی معاشرے یا ملک کے اندر اجتماعی عدل اور انسانی مساوات کے قیام میں ہمیشہ فعال رہے ہیں۔ مغرب میں گر جاگھر کا کردار نمایاں رہا لیکن جب ریاست سے اس کا عمل دخل ختم ہو گیا، تو وہ فعال نہیں رہا۔ البتہ عوامی سطح پر غیر حکومتی اداروں میں اب مذہبی طبقہ آگے آگے ہے اور خدمت خلق کے لیے سرگرم ہے۔

اسی طرح مسجد، مندر، گوردوارے، مزارات اور دینی مدارس کا اپنا ایک کردار ہے۔ یہ ادارے نظام عبادات میں کامل مساوات کا

اہتمام کر کے لوگوں کو عملاً مساوات کی تعلیم و تربیت دیتے ہیں۔ اس لیے دنیا کے بڑے بڑے مذاہب کی عبادت گاہیں، دفاتر، تنظیموں اور اداروں سے وابستہ لاکھوں افراد سماجی انصاف کے لیے کوشاں ہیں۔ تاہم ضرورت ہے کہ ان اداروں کو تعصبات سے پاک رکھا جائے اور یہ فرقہ واریت سے بالاتر رہیں۔

تعلیمی ادارے:

قوموں کی تعمیر و ترقی اور عدل و انصاف کے مستقبل قیام کے لیے تعلیمی اداروں سے بہتر اور کوئی جگہ نہیں۔ ان اداروں کی تعلیم کے مقاصد میں اخلاقی اقدار کو سودیا جائے، تو نئی نسل کے اذہان کی تشکیل کے سانچے قائم ہو جاتے ہیں۔ جمہوری ریاستوں، کمیونسٹ ملکوں اور دیگر بہت سے معاشروں میں تعلیمی ادارے ایسے پیانے ہیں جو قوموں کے مزاج اور اخلاقیات کی نشان دہی کرتے ہیں۔

ان اداروں میں قانون رنگ، نسل، قومیت کا امتیاز منع ہے اور داخلے پر کسی بھی فرد کے لیے کوئی پابندی نہیں۔ البتہ نیشنل منڈیلا کی طالب علمی کی آپ بیتی سے معلوم ہوتا ہے کہ عملاً ایک حد تک اب بھی تعصبات موجود ہیں۔ مغرب میں بھی ایسے تعلیمی ادارے ضرور ہیں جہاں ایک غریب بچے کے لیے عملاً داخلہ مشکل ہوتا ہے۔

سماجی ادارے:

ان اداروں میں حکومتی اور غیر حکومتی (NGOs) دونوں قسم کے ادارے شامل ہیں جیسے ایڈمی ٹرسٹ، سہارا ٹرسٹ، خواتین کی تنظیمیں، تجارتی، معاشی، سیاسی اور خدمتِ خلق کے ادارے وغیرہ۔ ان کے قیام کا بنیادی مقصد عوام کو ان کے حقوق دلانے میں مدد دینا ہے۔ ان سب کی اخلاقی ذمہ داری ہے کہ رنگ، نسل، وطن اور قومیت سے بالاتر ہو کر عوامی خدمات سرانجام دیں۔ یہ ادارے کہیں کہیں تعصبات کا شکار یا مفادات کے لیے کوشاں بھی نظر آتے ہیں لیکن مجموعی طور پر یہ ایسے سماجی دباؤ کے مراکز ہیں، جن کا کام بھلائی اور خدمت کو آگے بڑھانا ہے۔ اخلاقی تربیت سے یہ ادارے اور بہتر ہو سکتے ہیں۔

مستقبل کی روشنی:

عدل و مساوات کے قیام کے لیے یہ جاننا ضروری ہے کہ افراد، اقوام اور بین الاقوامی ادارے اخلاقیات سے انحراف کیوں کرتے ہیں یعنی اس سنگین نا انصافی کی جڑیں کہاں کہاں ہیں تاکہ ان کا قلع قمع کیا جاسکے۔

دنیا بھر کے عدل پسند لوگ یہ جانتے ہیں، کہ انسان انا پرست ہے اور تعصب کہیں نہ کہیں اس کے ضمیر میں موجود ہے۔ تعلیم کے عام ہونے بلکہ ترقی کی معراج پالنے اور چاند پر کنڈیں ڈالنے کے باوجود زیادہ با وسائل قومیں اب بھی انصاف کے تقاضوں اور مساوات کے ضابطوں کو پامال کرتی نظر آتی ہیں۔ بڑے بڑے بین الاقوامی ادارے عدل قائم کرنے میں ناکام ہیں اور آج بھی انسان عدل و انصاف کے حصول کو ترس رہا ہے۔

ان تمام دکھوں کا مداوا اخلاقی اقدار کو صدقہ دل سے قبول کرنے اور ان پر عمل کرنے میں مضمر ہے۔ عمومی تعلیم کے ساتھ ساتھ اخلاقی تعلیم کا دائرہ وسیع کیا جائے۔

☆ وسائل کے حصول اور استعمال میں اقوام عالم اخلاقیات سے بالاتر نہ ہوں۔

☆ طمع، لالچ اور آسودگی میں انسان اس قدر کھو گیا ہے بلکہ اخلاقیات کی زبان میں لذت کے حصول کے نظریے کو اپنا کر خدائے برتر سے رشتہ توڑ بیٹھا ہے۔ اب وہ صرف اپنی ذات یا خاندان کے لیے جیتا ہے۔ ضروری ہے کہ اخلاقی دباؤ بڑھا کر اسے قائل کیا جائے کہ صرف اپنی ذات کے لیے جینا انسانیت کا معیار نہیں۔

☆ لوگ الفت محبت، یگانگت اور انسانیت کے دروسے نا آشنا ہو رہے ہیں اور تکلیف دہ بات یہ ہے کہ احساس زیاں بھی نہیں ہے۔

وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا

کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

اس سنگ دلی سے نجات اور انسانی دکھوں کے مداوے کے لیے ضروری ہے کہ اخلاقی تعلیمات کو عام کیا جائے۔

مشق

(الف) مفصل جوابات لکھیں۔

- 1- اجتماعی عدل اور انسانی مساوات معاشرے اور ان کے اداروں کے محافظ کیوں کہلاتے ہیں؟
- 2- اجتماعی عدل کے قیام میں تعلیمی اور مذہبی اداروں کے کردار متعین کریں۔
- 3- افراد، اقوام اور بین الاقوامی ادارے عدل و مساوات کے قیام سے انحراف کیوں کرتے ہیں اور مستقبل میں اس کا سد باب کیسے ممکن ہو گا؟

(ب) مختصر جوابات لکھیں۔

- 1- بڑے بڑے تعصبات اور امتیازات کون کون سے ہیں؟
- 2- اجتماعی عدل کے لیے کون سی چیز زیادہ موثر ہو سکتی ہے؟
- 3- کون سا ادارہ سماجی عدل اور انسانی مساوات میں زیادہ کردار ادا کر سکتا ہے؟
- 4- ریاستی ادارے جو اجتماعی عدل کے ضامن ہو سکتے ہیں وہ کون کون سے ہیں؟
- 5- کون سی تعلیم رنگ و نسل کے امتیازات کم کرنے میں مدد دے سکتی ہے۔

(ج) مختصر جوابات لکھیں۔

- 1- انسانیت کا جوہر خاص ہے۔
- (1) تعلیم (ب) معیشت (ج) اخلاق (د) مساوات
- 2- عدل کے قیام کے لیے ضروری ہے۔
- (1) قانون (ب) اخلاقی تعلیم (ج) انتظامیہ (د) عدلیہ
- 3- سماجی انصاف کی مثالیں میں موجود ہیں۔
- (1) اسلام (ب) مسیحیت (ج) بدھ مت (د) الف، ب، ج
- 4- اجتماعی عدل اور انسانی مساوات کی راہ میں رکاوٹ ہے۔
- (1) تعصبات (ب) نظریہ لذت (ج) اخلاقی تعلیم کا فقدان (د) الف، ب، ج
- 5- موجودہ دور میں نا انصافیوں کی اہم ترین وجہ ہے۔
- (1) لالچ (ب) الفت و محبت کی کمی (ج) احساسِ زیاں کا فقدان (د) طاقت کا نشہ
- (د) خالی جگہ پُر کیجیے۔

- 1- جنس ایک عنصر ہے۔
- 2- مسیحیت میں دوسروں سے آگے ہے۔
- 3- معتقد کا کام ہے۔
- 4- وسائل کے حصول اور میں اقوام اخلاقیات سے عاری ہیں۔
- 5- تعلیم یافتہ انسان بھی تعلیم کی کمی کی وجہ سے تعصبات کا شکار ہے۔
- (ه) طلبہ کے لیے سرگرمیاں:

- 1- اجتماعی عدل کے موضوع پر ایک گروہی مباحثہ کیجیے۔
- 2- اپنے ادارے میں عدم مساوات کے عناصر کی نشان دہی کیجیے۔
- 3- آپ مساوات اور عدل کے لیے کیا کچھ ضروری سمجھتے ہیں، ایک صفحے کا نوٹ لکھیے۔
- (و) اساتذہ کے لیے ہدایات:

- 1- ”ہمارا انصاف ادارے تک“ اس موضوع پر طلبہ کو بتائیے کہ تعلیمی ادارے میں اجتماعی عدل اور انسانی مساوات کی بنیادیں کیسے مستحکم ہوتی ہیں۔



کام کی جگہ پر وقت اور پابندی وقت کی اہمیت

وقت دو قیمتی متاع ہے، جو تمام انسانوں کو برابر عطا کی گئی ہے۔ یہ دولت نہ ذخیرہ کی جاسکتی ہے اور نہ اس کے آگے روک لگائی جاسکتی ہے۔ جو لوگ اس کی اہمیت سے واقف ہیں وہ فائدہ اٹھا کر ترقی کرتے اور نام پیدا کرتے ہیں۔ جو اس کی افادیت نہیں جانتے وہ اسے ضائع کرتے ہیں۔ جب یہ گزر جاتا ہے تو سوائے پچھتاوے کے کچھ باقی نہیں رہتا۔ کیونکہ گیا وقت کبھی واپس نہیں آتا۔

وقت ہی زندگی کا دوسرا نام ہے۔ اس کی قدر و قیمت کا ادراک ہو تو انسان اس سے فائدہ اٹھا کر اس دنیا میں سہولتیں حاصل کرتا ہے، عزت و وقار سے جیتا ہے اور جب روز حساب اس سے سوال کیا جائے گا، کہ وقت یا زندگی کیسے گزاری؟ تو اس کے لیے جواب دینا بھی آسان ہوگا۔ یاد رہے کہ ایک آدمی کی ذاتی زندگی میں اس کی جتنی اہمیت ہے قومی اور اجتماعی زندگی میں بھی یہ اتنا ہی اہم ہے۔ تو میں اسی کی قدر و قیمت جان کر ترقی کرتی اور عروج حاصل کرتی ہیں۔ کام کی جگہ پر خواہ وہ دفتر ہو یا کارخانہ اور کمپنی ہو یا ادارہ وقت ہی سب سے قیمتی متاع ہوتی ہے۔

وقت سے استفادے کی بہترین صورت اور عملی پہلو پابندی وقت ہے۔ ہم غور کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ سارا کارخانہ قدرت وقت کا پابند ہے۔ سورج وقت پر طلوع اور وقت پر غروب ہوتا ہے۔ سیاروں کی گردش، موسموں کا ادول بدل الغرض کائنات کا سارا نظام وقت اور نظم کا پابند ہے۔ اگر اس نظام میں ذرا سا فرق آجائے تو سونامی جیسے طوفان اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ اسی طرح تمام مذاہب میں عبادات کے اوقات مقرر ہیں اور وقت پر کی گئی عبادت ہی عبادت کہلاتی ہے۔ جب کائنات کا ہر ذرہ وقت اور نظم کا پابند ہے تو اس سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ کوئی بھی کام بہتر طور پر سرانجام دینے کے لیے وقت کی پابندی از بس ضروری ہے۔

اگر ہم کسی کمپنی، کارخانے، دفتر یا ادارے میں ملازم ہیں یا طالب علم ہیں تو ہمارے لیے لازم ہے کہ ہم کام کی جگہ پر نہ صرف پہنچنے میں وقت کے پابند ہوں، بلکہ مقررہ اوقات میں اپنی اپنی ذمہ داریاں بھی پوری کریں۔ اور وہی کام کریں جو ہمیں تفویض ہوا ہے۔ بعض لوگوں کی یہ عادت ہوتی ہے کہ وہ کام کے آغاز سے قبل چائے یا کافی پیتے ہیں، مگر یہ سب کچھ کام کی جگہ پر مقررہ اوقات سے پہلے ہونا چاہیے۔ اگر بہت سے کارکن یہ طریقہ کار بنالیں کہ یہ کام کے اوقات میں چائے یا کافی پیئیں اور سال بھر ایسا ہوتا رہے تو کمپنیاں، کارخانے، ادارے اور درس گاہیں اپنے مقاصد حاصل نہیں کر پائیں گی۔ ہمارے مشاہدے کے مطابق ملازمین کے روزانہ دس پندرہ منٹ ضائع کرنے سے ایک بڑا نقصان ہوتا ہے۔

کام کی جگہ پر وقت کی پابندی ہمارے عزت و وقار میں اضافے کا باعث بنتی ہے۔ جو لوگ ہر روز مقررہ اوقات سے دس منٹ پہلے پہنچتے ہیں اور عین چھٹی کے وقت یا اس سے چند منٹ بعد کام کی جگہ چھوڑتے ہیں تو ان کے افسران بالا اس پابندی وقت سے ان کے بارے میں عمدہ رائے قائم کرتے ہیں۔ ان کے رفتائے کار انھیں قدر و احترام کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ عام زندگی میں بھی ان کی اس خوبی کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔

ہر کام بروقت پورا کیا جائے تاکہ ہم چھوٹی چھوٹی غلطیوں پر قابو پا سکیں۔ آخری وقت پر کام کرنے سے بہت سے تقاضے پورے نہیں

ہوتے۔ کبھی بنیان پہننا بھول گئے، کبھی جراثیم الٹی پہن لیں اور کبھی شناختی کارڈ یا موبائل فون گھر بھول آئے۔ اس سے بھی بڑی بات یہ کہ وہ کام کی جگہ پر دیر سے پہنچتے ہیں تو ان کی ساکھ کو نقصان پہنچتا ہے۔ اگر بار بار ایسا ہو تو ملازمت بھی خطرے میں پڑ جائیے۔ اچھے اداروں کے منتظم کارکنوں اور ملازمین کو رعایتیں اور مراعات دیتے ہیں مگر وقت کی پابندی پر کوئی سمجھوتہ نہیں کرتے۔

کام کی جگہ پر وقت کی پابندی کرنے والے لوگ نہایت خاموشی سے اپنے کارخانے، کمپنی ادارے اور تنظیم کے منتظمین کو یہ پیغام دیتے ہیں کہ وہ راست باز، دیانتدار، قابل اعتماد اور ذمہ دار انسان ہیں۔ وہ ایسے ادارے سے ذہنی طور پر ہم آہنگ ہیں اور اس کے وفادار بھی۔ وقت کی یہ پابندی ان کے لیے ترقی کی راہیں کھول دیتی ہے۔ پابندی وقت نہ صرف ایک اچھی عادت ہے بلکہ عمدہ انسانی کردار کی شناخت بھی ہے۔ مزید برآں وقت کی پابندی انسانی اخلاق پر مثبت اثرات مرتب کرتی ہے اور اسے اپنے گھر، شہر اور وطن کے معاملات میں وقت کا پابند رہنے کا سبق دیتی ہے۔

مشق

(الف) مفصل جواب لکھیں۔

1- ”وقت کی قدر و قیمت“ پر ایک مضمون لکھیں جو کم از کم دو صفحات پر مشتمل ہو۔

(ب) مختصر جوابات لکھیں۔

1- اللہ تعالیٰ نے کون سی نعمت تمام انسانوں کو برابر دی ہے؟

2- وقت سے استفادے کی عملی صورت کیا ہے؟

3- کام کی جگہ پر روزانہ چند منٹ ضائع ہوں تو اس کا نتیجہ کیا نکلتا ہے؟

4- کام کی جگہ پر تاخیر سے پہنچنے سے سب سے بڑا نقصان کیا ہوتا ہے؟

5- وقت کی پابندی ایک فرد کی ترقی کے لیے کیا کردار ادا کرتی ہے؟

(ج) درست جواب کو نشان (✓) لگائیے۔

1- انسانی ناموری اور عظمت کا راز..... میں مضمر ہے۔

(ا) شہرت (ب) دولت (ج) وقت سے استفادے (د) پابندی وقت

2- کام کی جگہ پہ وقت کی پابندی نہ کرنے سے زیادہ نقصان..... کا ہوتا ہے۔

(ا) کمپنی (ب) ملازم (ج) عزت نفس (د) عوام

3- پابندی وقت سے.....ہوتا ہے۔

(ا) مالی فائدہ (ب) عزت اور اعتماد میں اضافہ (ج) ساکھ بہتر (د) الف، ب، ج

4- ہر کام کو آخری لمحوں تک ٹالنے سے

(ا) ہمیشہ کام تکمیل رہتا ہے (ب) افراتفری میں کچھ اور باتیں بھول جاتے ہیں

(ج) تاخیر ہو جاتی ہے (د) الف، ب، ج

(د) خالی جگہ پُر کریں۔

1- زندگی.....کا دوسرا نام ہے۔

2- عبادات کے.....مقرر ہیں۔

3- کائنات کا ہر ذرہ نظم اور.....کا پابند ہے۔

4- جائے کار پر وقت کی پابندی آپ کی عزت اور.....میں اضافہ کرتی ہے۔

5- پابندی وقت انسان کے عمدہ.....کی شناخت ہے۔

(ہ) طلبہ کے لیے سرگرمیاں:

1- تمام طلبہ ایک ڈائری بنائیں جس میں روزمرہ کے امور اور ان پر پابندی سے عمل کے اوقات درج کریں۔ عبادات، نیند،

سیر اور گھر کے کاموں میں ہاتھ بٹانے اور ہر مضمون کو مناسب وقت دیا جائے، ہفتے بعد جائزہ لیں کہ کیا آپ ہر کام وقت پر کرتے رہے ہیں؟

2- تمام طلبہ بل کر ایک طالب علم کی چوبیس گھنٹوں کی مصروفیات کا نظام الاوقات بنائیں۔

(و) اساتذہ کے لیے ہدایات:

1- نظم و ضبط اور پابندی وقت پر تمام طلبہ سے عمل کرائیں۔

2- تاخیر سے آنے والوں کا وقت نوٹ کریں اور انہیں آگاہ کریں کہ آج دیر سے آنے سے آپ کا کتنا نقصان ہوا ہے۔



کام کی جگہ کے آداب

دنیا میں زندگی بسر کرنے کے لیے ہر انسان کوئی نہ کوئی کام کرتا ہے۔ ایک کاروبار کرتا ہے تو دوسرا کسی کمپنی، کارخانے یا کسی ادارے میں ملازمت کرتا ہے۔ یہ روزگار کے سلسلے ہیں۔ البتہ ہر جگہ کام کرنے کے ایسے آداب ہوتے ہیں جن پر عمل کرنا ضروری ہوتا ہے۔ ہم کسی ادارے کے منتظم ہوں، کسی کارخانے میں مزدور یا کسی دفتر میں ملازم۔ ان مراسم، ضوابط، اخلاق اور آداب پورے کرنے ہی سے آپ باوقار طریقے سے اپنے منصب سے عہدہ برآ ہو سکیں گے۔ ان آداب پر عمل کرنے سے جہاں کارخانوں کی پیداوار بڑھتی ہے وہاں ماحول بھی خوش گوار رہتا ہے اور انفرادی قوت کار میں بھی اضافہ ہوتا ہے۔ پہلے چند عمومی نوعیت کے آداب بیان کیے جاتے ہیں جن کا کام کی جگہ (Work Place) پر خیال رکھنا ضروری ہے۔

- کام کی جگہ پر کام کرنے کے لیے نئے لوگ آتے ہیں تو وہ آداب سے ناواقف ہوتے ہیں۔ منتظمین اور پرانے کارکنوں کا فرض ہے کہ وہ نئے ملازمین کو کام کی جگہ کے آداب سے آگاہ کریں۔
- ہمیں چاہیے کہ ہم اپنے رفتائے کار سے عمدہ رویہ اختیار کریں۔ ہم دوسروں کی عزت کریں گے تو ہماری عزت کی جائے گی اور ماحول اچھا رہے گا۔
- وقت کی پابندی نہ کرنے کی صورت میں یہاں ہماری ساکھ متاثر ہوتی ہے وہاں یہ تاثر بھی پیدا ہوتا ہے کہ ہم ادارے سے کوئی دلچسپی نہیں رکھتے۔ آپ اپنی ذات کو ادارے کے مفاد کی نسبت زیادہ اہم سمجھتے ہیں۔
- اداروں میں کئی قسم کے اجلاس ہوتے ہیں، جن میں بہتری کا لائحہ عمل مرتب کیا جاتا ہے۔ ہم ان اجلاسوں میں بروقت شریک ہوں۔ یہ بات اور بھی معیوب ہوگی، کہ ہم تاخیر سے آئیں اور دوران اجلاس دوسروں سے پوچھیں کہ کیا کچھ کیا جا چکا ہے؟
- موبائل فون اور لیپ ٹاپ اس دور کی نہایت مفید سہولتیں ہیں مگر اجلاس کے دوران یا کام کی جگہ پر کام کے دوران میں ان کے استعمال سے گریز کریں۔
- کام کی جگہ پر جہاں خوش اخلاقی اور دوسروں کی مدد کرنے کے جذبے قابل قدر ہوتے ہیں، وہاں شخصیت کے ظاہری پہلو بھی قابل توجہ ہوتے ہیں۔ ہمیشہ لباس، جوتوں، اور بدن کی صفائی کا خاص خیال رکھیں۔
- دوسروں کے کام میں مداخلت نہ کریں اور اپنا فرض خوش اسلوبی سے نبھائیں۔

انتظامیہ اور آداب:

افراد کی صلاحیتوں میں فرق ہوتا ہے۔ ذمہ داری جتنی بڑی ہوتی ہی صلاحیت، قوتِ کار، حوصلے اور بصیرت کی ضرورت ہوتی ہے جو لوگ بڑے عہدوں پر کام کرتے ہیں ان سے اخلاق کے تقاضے یہ ہوتے ہیں۔

○ اگرچہ مختلف نوعیت کے کاموں کے لیے مختلف لوگوں کو بھرتی کیا جاتا ہے مگر اس کے باوجود ایک شعبے میں کام کرنے والے افراد میں فرق ہوتا ہے۔ کام تفویض کرتے وقت ان کی صلاحیتوں اور وقت کے دورانیے کا خیال رکھیں۔

○ بعض چرب زبان اور خوشامدی افراد انتظامیہ کے دل میں نرم گوشہ پیدا کر لیتے ہیں ان سے رعایت کی جائے تو عدل و انصاف کے تقاضے پورے نہیں ہوتے۔ دوسرے کارکن بد دل اور بدظن ہوتے ہیں۔ اس لیے انصاف کے تقاضے ہر حال میں پورے کیے جائیں۔

○ اپنے ماتحت عملے کے ساتھ اچھا رویہ اپنائیں۔ وہ عہدے اور صلاحیت میں کم ہونے کے باوجود بھی عزت نفس رکھتے ہیں۔ ہم ان کا احترام کریں تو وہ مشکل حالات میں ہمارے مضبوط دست و بازو بنیں گے۔

○ ہر اجلاس بلاتے وقت اس کے مقاصد، وقت کے دورانیے اور زیر بحث امور سے سب کو وقت سے پہلے آگاہ کریں تاکہ شرکاء تیار کر کے اجلاس میں شریک ہوں۔

○ اجلاس میں اخلاقی ضابطوں یا ملازمت کے آداب بتانا مقصود ہوں تو نرم لہجے میں گفتگو کریں۔

○ موبائل فون کا استعمال اجلاس کے دوران نہ کریں اور ناگزیر ہو تو موبائل فون کا استعمال کرنے سے پہلے اپنے ساتھیوں سے معذرت کر لیں۔ اجلاس کے آخر میں تمام لوگوں کا شکریہ ادا کرنا ہرگز نہ بھولیں۔

○ اگر ملازمین اپنے مطالبات پیش کریں تو باہمی گفت و شنید کے بعد قابل عمل مطالبات تسلیم کر لیں اور جن پر عمل کرنا ممکن نہ ہو تو کارکنوں کو ان کی وجوہات بتادیں تاکہ وہ مطمئن ہو جائیں۔

○ اجلاسوں میں تمام شرکاء کو آزادی سے رائے دینے اور اختلاف کرنے کی سہولت فراہم کریں۔

ماتحت عملہ اور آداب

○ ہر ماتحت کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے افسران بالا کا احترام کرے۔ اگر انتظامیہ کوئی حکم جاری کرے تو اس پر عمل کرے۔ ممکن ہے کسی حکم سے آپ کو اختلاف ہو ایسی صورت میں متعلقہ ذمہ دار اصحاب کے سامنے اپنا نقطہ نظر رکھیے۔ ضرورت ہو تو افسران بالا کے پاس اپیل کریں۔ مگر طیش میں آکر بدزبانی کرنا اور کسی حکم کو جھٹکے کی بنیاد بنانا بڑی بات بھی ہے اور خلافِ ادب بھی۔

○ افسران بالا کے ساتھ عزت و احترام سے پیش آئیں۔ پیرشتہ خلوص پر قائم ہونا چاہیے۔ اس سے آپ کے وقار میں اضافہ ہوگا۔

○ خوشامد، چالپوسی اور بے جا تعریف عام طور پر کامیاب ملازمت کے گر قصور کیے جاتے ہیں، مگر ان منفی صفات کے نتائج انسان کو

دوسروں ہی کی نہیں، خود اپنی نظروں سے بھی گرا دیتے ہیں۔ ان سے پرہیز کریں۔ یہ حربے وہ لوگ اپناتے ہیں جن سے اور کچھ نہیں بن پڑتا۔

وقت کی پابندی ملازمت کا تقاضا اور اخلاق کا حاصل ہے۔ اس کے قواعد سے واقف ہو کر اس پر عمل کیجیے۔
اجلاس کے دوران میں موبائل فون بند رکھیں۔ خاموشی اور غور سے اجلاس کی کاروائی سنیں اور ضرورت پڑنے پر بولنا پڑے، تو اپنی آواز پست رکھیں۔

افسران بالا، رفقاء کار اور دیگر تمام لوگوں کے بارے میں حسن ظن رکھیں۔ اس سے آپ کو ذہنی سکون ملے گا۔
کام کی جگہ پر اپنا لباس صاف ستھرا رکھیں اور شخصیت کے ظاہری پہلوؤں کو نظر انداز نہ کریں۔ بڑھی ہوئی شیو، بغیر پالش جوتے، لٹکتے ہوئے تسمے اور ٹوٹے ہوئے بٹن، ان چیزوں کو کہیں بھی پسند نہیں کیا جاتا۔ اس سے ایک تاثر یہ ملتا ہے کہ آپ جس قدر خود سے بے نیاز ہیں، ادارے سے بھی اسی طرح بے پروا ہیں۔

کھانے کے کمرے کو صاف رکھیے اور کھانے کی باقیات کو ٹھکانے لگا کر جائیں۔
غلط افواہوں پر توجہ نہ دیں اور انھیں پھیلانے میں کوئی کردار ادا نہ کریں۔ اس منفی سرگرمی سے ادارے اور کمپنی کا خسارہ بڑھ جاتا ہے۔
کام زیادہ، اور مطالبات کم کیجیے۔ آپ کے یہی رویے آپ کی ترجیحات کا پتہ دیتے ہیں۔
تکرار سے اجتناب کریں۔ اپنے ہم کار ساتھیوں کی عزت کریں۔ اس سے آپ کی توقیر بڑھے گی۔ ان کی مدد کریں۔
چھوٹی چھوٹی باتوں کا خیال رکھیں۔ دوسروں کی طرف منہ کر کے کھانا یا چھینکنا معیوب ہے۔ تم کی بجائے آپ کہہ کر دوسروں کو پکاریں۔ ان آداب پر عمل کرے سے خود آپ کے وقار میں بھی اضافہ ہوگا۔

خدمت گار اور آداب:

انسان گاؤں میں رہے یا شہر میں، وہ اپنی جملہ ضرورتیں پوری نہیں کر سکتا۔ کاروبار یا ملازمت کرتے ہوئے ہم صرف ایک کام کر سکتے ہیں جبکہ ضرورتیں بے شمار ہوتی ہیں اور یہ ضرورتیں مختلف افراد پوری کرتے ہیں۔ ٹیلی فون، بجلی، سوئی گیس، محکمہ صحت کے کارکنوں، ڈاکخانے کے ملازمین اور صفائی کرنے والوں کے علاوہ گھروں میں کام آنے والے ملازمین سے ہم طرح طرح کی خدمات لیتے ہیں۔ شادی یا مرگ کے موقع پر بڑے پیمانے پر خدمات حاصل کی جاتی ہیں۔ ان خدمات گاروں سے پیش آنے کے آداب یہ ہیں۔

جہاں ایک طرف خدمات سرانجام دینے والوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ شکایات کا ازالہ فوری کریں خصوصاً بڑے اداروں کے سرکاری ملازمین کے لیے اہم ہے کہ وہ صارفین کو ان کا حق خوش اخلاقی اور خوش اسلوبی سے پہنچائیں، وہاں صارفین کے لیے بھی ضروری ہے کہ وہ تلخی کی بجائے ان خدمات گاروں سے عزت و احترام کے ساتھ پیش آئیں۔

پالیسیاں محکمے بناتے ہیں اور صارفین اپنا غصہ ملازمین پر نکالتے ہیں۔ اپنا رد عمل ظاہر کرنے سے پہلے حقیقت حال سے آگاہی حاصل کر لیں اور احترام آدمیت کے تقاضے پورے کرتے ہوئے براہ راست متعلقہ محکمہ سے رجوع کریں۔

- گھریلو ملازمین آپ کی خصوصی توجہ کے مستحق ہوتے ہیں۔ مہنگائی کے دور میں ان کے لیے جینا مشکل ہو رہا ہے۔ وہ کئی گھروں میں بیک وقت کام کرنے پر مجبور ہیں۔ ان کی مجبوریوں کا احساس کریں۔ ممکن ہے وہ قدرتی آفات یا بد قسمتی سے گھروں کی صفائی اور برتن دھونے پر مجبور ہوں۔ جھڑکیاں دے کر ان کے دکھوں میں اضافہ نہ کریں بلکہ ان کی عزت نفس کا خیال رکھیں۔
- گھریلو ملازمین کو معقول معاوضہ دیں۔ مقررہ معاوضے کے علاوہ بھی کپڑے یا اجناس کی شکل میں ان کی مدد کریں۔ بڑے گھروں میں بچا ہوا کھانا کوڑے دان میں ڈال دیا جاتا ہے جب کہ اس سے یہ ملازمین استفادہ کر سکتے ہیں۔
- غصے میں لہن طعن، بدزبانی اور بدکلامی سے پرہیز کریں۔ آپ ملازمین کی عزت کریں تو وہ آپ پر جان نچھاور کرنے کو تیار ہوں گے۔ کیونکہ احسان کا بدلہ احسان ہوتا ہے۔

ملاقاتی اور آداب:

- کام کی جگہ پر آنے والے کئی قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ ان میں کچھ تو تنظیمین یا ادارے کے سربراہ کے پاس ان کے بلانے پر آتے ہیں یا اور کچھ ذاتی شکایات لے کر حاضر ہوتے ہیں۔ یہ سب افراد قابل احترام ہوتے ہیں۔ ان کے کام کیجیے اور انھیں عزت و احترام بھی دیجیے۔ بہت سے دفاتر میں ان لوگوں سے اچھا سلوک نہیں ہوتا۔ انھیں خوش آمدید کہا جائے اور خوش دلی سے ان کے مسائل حل کیے جائیں اور ان کی شکایات کا ممکنہ حد تک فوری ازالہ کیا جائے۔
- کام کی جگہ پر آنے والے ملاقاتیوں میں کچھ لوگ صرف دوستوں سے ملنے یا گپ شپ کرنے کے لیے آتے ہیں۔ ایسے ملاقاتی کا دس پندرہ منٹ سے زیادہ وقت نہ لیں، وہ بھی صرف کام کی صورت میں، ورنہ چھٹی کے بعد ملاقات کے اوقات طے کر لیں۔ کام کی جگہ پر کام کرنے والوں کے لیے بھی لازم ہے کہ وہ ایسے لوگوں کو جلد فارغ کریں اور اپنے اصل کام کی طرف توجہ دیں۔
- بعض ملاقاتی سرکاری یا نجی ادارے کے فون، فیکس، فوٹو کاپیئر اور دیگر کارآمد مشینوں سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ استفادے کا یہ انداز نہ صرف غیر قانونی ہے بلکہ اخلاقاً بھی ممنوع ہے۔ اس عادت سے پرہیز کیجیے۔
- ادارے، ان کے افسران بالا، ماتحت عملہ اور دیگر کارکن ان اخلاقی تعلیمات پر صدق دل سے عمل کریں۔ تو نہ صرف ان میں باہمی محبت، انسیت اور الفت میں اضافہ ہوگا۔ بلکہ دفتر کی کارکردگی پر بھی مثبت اثرات مرتب ہوں گے اور اس ادارے کی عوام میں نیک نامی بھی ہوگی۔

(الف) مفصل جوابات لکھیں۔

- 1- کام کی جگہ پر منتظم کے لیے کون کون سے آداب ضروری ہیں۔
- 2- کام کی جگہ پر ماتحت عملے کو کن باتوں کا خیال رکھنا چاہیے۔
- 3- مختصر نوٹ لکھیے۔

(الف) کام کی جگہ پر آداب کی اہمیت (ب) خدمت گار اور آداب

(ب) مختصر جوابات لکھیے۔

- 1- کام کی جگہ پر آداب کا خیال رکھنے سے ماحول پر کیا اثر پڑتا ہے؟
- 2- اجلاس میں منتظم کو کن باتوں کا خیال رکھنا چاہیے؟
- 3- ماتحت عملے کے مطالبات سے کیسے پنپنا جائے؟
- 4- خوشامد اور چالوسی کرنے والوں سے کیا سلوک کرنا چاہیے؟
- 5- گھریلو ملازمین کی تنخواہ کے علاوہ کیسے مدد کی جاسکتی ہے؟

(ج) درست جواب کا انتخاب کیجیے۔

- 1- ایک ملازم کے لیے سب سے اہم ہے۔

(الف) مشاہرہ (ب) عہدہ (ج) عزت نفس (د) الف، ب، ج

- 2- کام کی جگہ پر وقت کی پابندی کی جائے تو

(الف) ایک فرد کے وقار میں اضافہ ہوتا ہے

(ب) اس کے لیے ترقی کی راہیں کھلتی ہیں

(د) آمدن میں اضافہ ہوتا ہے

(ج) انتظامیہ خوش ہوتی ہے

- 3- غلط افواہ پھیلنے سے زیادہ نقصان..... کا ہوتا ہے؟

(الف) منتظم (ب) ماتحت ملازم (ج) کارخانے (د) کسی کا بھی نہیں

- 4- آداب پر عمل سے فائدے میں رہتا ہے۔

(الف) منتظم اعلیٰ (ب) کارکن (ج) سرمایہ دار (د) الف، ب، ج

5- کام کی جگہ پر ملاقات کے لیے آنے والوں کو.....

(الف) تھوڑا وقت دیں (ب) گپ شپ کے بعد فارغ کر دیں

(ج) آنے سے منع کر دیں (د) کچھ نہ کہیں

(و) درج ذیل سوالات میں صحیح اور غلط کی نشاندہی کریں۔

1- ملازمین کا کام ہے کہ جیسے بھی ہوصارفین کو ان کا حق پہنچائیں۔

2- محکمہ غلط پالیسیاں بنائیں تو رد عمل میں عوام ملازمین پر غم و غصے کا اظہار کرتے ہیں۔

3- تکرار نہ کریں تو آپ کی توقیر بڑھے گی۔

4- ملازمین کے مطالبات تسلیم کر لینے میں آپ کی عافیت ہے۔

5- خوشامد کار اگر ہتھیار تصور کیا جاتا ہے۔

(و) طلبہ کے لیے سرگرمیاں:

1- ہر طالب علم اپنے والد/ والدہ سے ان کے ادارے / کارخانے، دفتر کے آداب پوچھے اور نوٹ کرے۔ پھر اپنے استاد کو دکھا کر ایک

ادارے، ایک کارخانے اور ایک دفتر کے آداب لکھ کر فائل بنائیں۔

2- طلبہ کے گھروں میں گھریلو ملازمین سے کیا سلوک کیا جاتا ہے ان سے پوچھ کر مشترک نکات اکٹھے کیے جائیں۔

(و) اساتذہ کے لے ہدایات

1- معاشرے میں ملازمین کے ساتھ غلط سلوک ایک روایت بنتی جا رہی ہے۔ طلبہ میں شعور بیدار کریں کہ یہ روایت غلط ہے۔

2- طلبہ سے پوچھیں کہ اگر وہ بڑے ہو کر آفیسر بنے تو ماتحتوں کے ساتھ کیا سلوک کریں گے، اہم نکات لکھ کر انہیں کمرہ جماعت میں

آویزاں کرائیں۔



نیلسن منڈیلا



نیلسن منڈیلا

آزادی ایک بیش بہا نعمت ہے اور اس کی خواہش اور طلب انسانی فطرت میں شامل ہے۔ اسی لیے انسان نے آزادی کے حصول کے لیے سب سے زیادہ قربانیاں دی ہیں۔ جو افراد یا قومیں ایسا نہیں کرتیں وہ غلامی اور ذلت کی زندگی بسر کرتی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ غلامی سے نجات اور تحریک آزادی کی کامیابی ہمیشہ اُن افراد کی جدوجہد کی مرہون منت ہوتی ہے، جو اپنے خون سے تاریخ رقم کرتے ہیں یا ہمت و حوصلے سے حالات کا رخ بدل دیتے ہیں۔ ایسے لوگ ایسی روشن مثالیں قائم کرتے ہیں جو آنے والی نسلوں کے لیے روشنی کا یمنار ثابت ہوتی ہیں۔

جنوبی افریقہ کے نیلسن منڈیلا تاریخ کا ایک ایسا ہی لازوال کردار ہیں جنہوں نے 27 سال جیل کی تاریک کوٹھڑی میں گزار دیے مگر ان کے حوصلوں کو پست نہ کیا جا سکا۔ حریت پسند اور آزادی کی تحریکوں کے پُر جوش کارکن آج بھی ان کے نقش قدم پر چلنے کو سعادت اور کامیابی کی دلیل سمجھتے ہیں۔

نیلسن منڈیلا 28 جولائی 1918ء کو جنوبی افریقہ کے ایک صوبے ٹرنسکائی کے گاؤں مویزومب میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد اپنے قبیلے کے سردار تھے، وہ بہت خوددار تھے۔ چنانچہ ایک گورے مجسٹریٹ سے کسی بات پر ان بن ہو گئی تو سرداری جاتی رہی۔ مراعات ختم ہوئیں تو مالی مشکلات بڑھ گئیں۔ 9 سال کی عمر میں نیلسن یتیم ہو گئے۔ اگلے دس سال ان کی تعلیم و تربیت سردار جانگن تابانے کی سرپرستی میں ہوئی۔ وہ اُن کے والد کے دوست تھے۔ نیلسن کا بچپن سادگی میں بسر ہوا۔ وہ فطرت کی گود میں پلے بڑھے۔ خوب صورت سبزہ زاروں میں دوستوں سے کھیلتے پھرتے اور شام کو گھر آتے تو انھیں ان کے قبیلے زازا کے جنگلی قصے سنائے جاتے اور ماں انھیں اخلاقی کہانیاں سنایا کرتی تھی۔

انھوں نے ابتدائی تعلیم گاؤں میں پائی۔ جب ان کی عمر سولہ سال ہوئی تو انھیں کلا راک بری کالج میں داخل کر دیا گیا۔ اس کالج میں نہ صرف ملک بھر سے طلبہ پڑھنے آتے بلکہ سوازی لینڈ اور بچوانا لینڈ کے طلبہ بھی یہیں داخل ہو کر تعلیم حاصل کرتے تھے۔ ہوسٹل میں سب مل کر خوش باش رہتے۔ دوسرے طلبہ کی صلاحیتوں کا اندازہ ہوتا اور سماجی تربیت بھی۔ نیلسن کی نظر میں بھی وسعت پیدا ہوئی اور یہیں ان کا ذہنی و فنی وسیع ہوا۔ اسی کالج میں کچھ سفید فام طلبہ بھی پڑھتے تھے۔ بعض اوقات کوئی نہ کوئی ایسا واقعہ رونما ہو جاتا جس سے نسلی تعصب کو ہوا ملتی۔ نیلسن کے شعور میں یہ بات بیٹھ گئی تھی کہ کالے افریقیوں کو سفید فاموں کے مقابلے میں حقیر سمجھا جاتا ہے۔

1937ء میں نیلسن منڈیلا مزید تعلیم کے لیے میلبورن کے ویزلیان کالج میں داخل ہوئے۔ یہاں تعلیم کا نظام اور بہتر تھا۔ اب ان

کے ذہن کے درمیان کھلتے جا رہے تھے۔ البتہ یہاں زندگی محنت طلب ہو گئی تھی۔ وہ کھیلوں خصوصاً کے بازی اور دوڑوں میں حصہ لیتے تھے۔ ایک تقریب میں انھیں اپنے قبیلے ازارا کے ایک شاعر کرون مخائے کو سننے کا اتفاق ہوا۔ اس نے نیلسن کے ذہن میں آزادی کا بیج بویا جو وقت کے ساتھ ساتھ تن آدور دخت کا روپ دھار گیا۔

جب نیلسن نے فورٹ ہیبر یونیورسٹی کالج میں داخلہ لیا، تو ان کی آنکھیں کھل گئیں۔ یہ ادارہ ان کے تصور سے بھی زیادہ اچھا تھا۔ نیلسن اسے کالوں کا آکسفرڈ اور کیمبرج قرار دیتے تھے۔ یہ سیاہ فام افریقیوں کے لیے تعلیم و تربیت کا مرکز تھا۔ اس ادارے کا معاشرتی ماحول مہذب اور دانش ورانہ تھا۔ نیلسن یہاں پروفیسر جاباؤ اور پروفیسر زید کے مکتبوس سے بہت متاثر ہوئے۔ ان دونوں کے خیالات نیلسن نے قبول کیے۔ فورٹ ہیبر ہی میں وہ عیسائی انجمن کے رکن بنے۔ وہ کبھی کبھی دیہات میں انجیل پڑھانے جایا کرتے تھے۔ انہیں انجمن طلبہ کا رکن منتخب کیا گیا مگر یہ انتخاب انہیں مہنگا پڑا۔ ایک اصولی موقف پر ڈٹ جانے پر انہیں کالج سے نکال دیا گیا۔ انھوں نے بعد میں اپنی کوشش سے بی اے کا امتحان پاس کر لیا۔

اس زمانے میں کالے افریقی نسلی تعصبات کا شکار تھے۔ انھیں مناسب روزگار میسر نہ تھا۔ نیلسن کو بھی انہی مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔ ایک کان میں چوکیداری کی، ایک نجی ادارے میں کلرک اور قاصد بھی رہے۔ یہیں ان کی ملاقات مسٹر گاور سے ہوئی۔ وہ افریقی نیشنل کانگریس کے رکن اور ایک بڑے انقلاب پسند مقرر تھے۔ نیلسن کو انہوں نے سیاسی جدوجہد کی راہ پر لگایا اور وہ افریقی نیشنل کانگریس کے اجلاسوں میں شریک ہونے لگے۔

قانون کی تعلیم کے لیے نیلسن نے وٹ وائرس ریڈر یونیورسٹی میں داخلہ لیا، تو انہیں نئے نئے تجربات سے گزرنا پڑا۔ یہاں گورے کالے مل کر پڑھتے۔ کبھی کبھی روشن خیالی اور وسعت نظر کے مظاہرے بھی ہوتے، مگر یہاں بھی نسلی تعصبات خاصے تھے۔ کالوں کو برابر کا شہری نہیں سمجھا جاتا تھا۔ یہاں نیلسن منڈیلا کو بہت سے کالوں اور ہندوستانیوں سے ملنے کا موقع بھی ملا۔ دوستی کے رشتے توانا ہوئے، تو یہی دوست آگے چل کر تحریک آزادی کا ہراول دستہ بن گئے۔

جنوبی افریقہ میں سونے کی کانیں تھیں۔ دیگر وسائل بھی وافر مقدار میں تھے، چنانچہ سفید فام افراد نے یہاں اقلیت میں ہونے کے باوجود حکومتیں بنائیں مگر کالوں کو حقوق نہ دیے۔ بہت سے ہندوستانی بھی یہیں آکر آباد ہو گئے۔ ان لوگوں کے ساتھ بھی امتیازی سلوک کیا جاتا تھا۔ کالوں اور ہندوستانیوں کے رہائشی علاقے الگ تھے۔ گوروں کی آبادی میں ان کا داخلہ ممنوع تھا۔ ان کی زمینیں اور بیس الگ تھیں، سکول الگ تھے۔ انھیں گوروں کے علاقے سے گزرنے کے لیے اجازت نامہ لینا پڑتا تھا۔ کالوں کو گوروں کے لیے مقرر دروازوں سے گزرنے کی اجازت نہیں تھی۔ وہ پکی گلیوں میں چل بھی نہیں سکتے تھے، ساحلوں پر نہ جا سکتے تھے۔ اور بے شمار پابندیاں تھیں جن کی خلاف ورزی پر انھیں جرمانہ اور قید کی سزائیں دی جاتی تھیں۔

ان پابندیوں اور نا انصافیوں کے خلاف فضا منظم ہو رہی تھی۔ آزادی، سیاسی اور بنیادی حقوق کے لیے تحریک جڑ پکڑ چکی تھی۔ نیلسن اب پوری طرح سیاست کے میدان میں اتر چکے تھے۔ پہلے دس سال تو انھیں پابندیوں اور گرفتاریوں کا سامنا رہا۔ انھیں کئی سال زیر زمین رہ کر کام کرنا پڑا مگر کب تک؟ آخر کار وہ قانون کے شکنجے میں جکڑے گئے۔ مدتوں مقدمہ زیر سماعت رہا اور 25 جون 1964ء کو انھیں عمر قید سنا کر

جیل بھیج دیا گیا۔

نیلسن منڈیلا قانون دان تھے اور سیاسی رہنما بھی مگر وہ بڑی نا انصافیوں کا شکار ہوئے۔ انھیں بڑی بڑی آزمائشوں سے گزرنا پڑا۔ بہت وزنی ہتھوڑوں سے پتھر کوٹ کر بجری بنانا پڑی، تیرہ سال مسلسل چونے کی بھٹیوں سے چونا کالنا پڑا۔ جیل ان کے لیے آزمائش کی صلیب بن گئی جس پر انھیں مسلسل آزما دیا گیا۔ بچے اور بیوی الگ سے دکھ جھیل رہے تھے۔ ماں فوت ہو گئی تو وہ اس کے آخری دیدار سے بھی محروم رہے۔ 25 سالہ جوان بیٹا فوت ہوا تو وہ اس کی آخری رسومات میں بھی شریک نہ ہو سکے۔ اس سب کچھ کے باوجود ان کے پائے استقامت میں لغزش نہ آئی۔ انھوں نے نہ تو آزادی کے حق کا سودا کیا اور نہ عوام کے بنیادی اور پیدائشی حقوق کی قیمت وصول کی۔ ان کی عمر کا 27 سال کا طویل عرصہ قید و بند میں گزر گیا۔ آخر کار فروری 1990ء میں حکومت کو انھیں رہا کرنا پڑا۔ ان کی پارٹی نے انھیں پارٹی کا صدر چن لیا اور انتخابات میں بھاری اکثریت حاصل کر لی۔ راہ آزادی کا یہ مسافر 1994ء سے 1999ء تک جنوبی افریقہ کا صدر رہا اور اس کے بعد انھوں نے عوامی زندگی سے ریٹائرمنٹ کا اعلان کر دیا۔ اقتدار چھوڑ کر انھوں نے عظمت کی بلندیوں کی طرف ایک اور مضبوط قدم اٹھایا۔

نیلسن منڈیلا نے جتنی صعوبتیں اٹھائیں اور جتنے دکھ جھیلے وہ اپنی ذات کے لیے نہیں بلکہ نسلی تعصب کے خاتمے اور اپنی قوم کے حقوق حاصل کرنے کے لیے تھے۔ انھوں نے زندگی کا بڑا حصہ جیل میں گزارا۔ ان کی قربانیوں کو عالمی سطح پر تسلیم کیا گیا اور اب اقوام متحدہ نے ہر سال نیلسن منڈیلا کا عالمی دن منانے کا اعلان کیا ہے۔ یہ اعزاز نوبل انعام سے بھی بڑھ کر ہے۔

نیلسن منڈیلا نے آزادی کے لیے جتنے مصائب کا سامنا کیا بیسویں صدی میں اس کی کہیں مثال نہیں ملتی۔ ان کی قربانیوں کے دور رس اثرات مرتب ہوئے۔ آزادی کی تحریکوں نے ان کے عزم و حوصلے سے جلا پائی۔ ان کا کردار حقوق کی خاطر لڑنے والوں کے لیے روشنی کا مینار ثابت ہوا۔ قاعدے اور اصول کے لیے چٹان کی طرح ڈٹ جانا بڑے ہی دل گردے اور حوصلے کی بات ہے۔ نسلی تعصبات شکست کھا گئے اور نیلسن منڈیلا تاریخ میں ہمیشہ کے لیے زندہ ہو گئے۔ دنیا بھر میں ان کی تگ و تاز کو سراہا گیا۔ 1993ء میں انھیں نوبل انعام سے نوازا گیا۔ دنیا کی پچاس بین الاقوامی یونیورسٹیوں نے انھیں اعزازی ڈگریاں عطا کیں جن میں پاکستان کی بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی بھی شامل ہے۔ وہ یونیورسٹی آف نارچھ کے چانسلر بھی رہے۔ حقیقت میں نیلسن منڈیلا دنیا بھر کے آزادی پسند لوگوں کے دلوں کی دھڑکن اور سب کے لیے مثالی نمونہ بن چکے ہیں۔

مشق

(الف) مفصل جوابات لکھیے۔

- 1- نیلسن منڈیلا کو جدوجہد آزادی میں کن مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔
- 2- ”نیلسن منڈیلا کی زندگی جدوجہد آزادی کی روشن مثال ہے“ تبصرہ کیجیے۔

(ب) سوالات کے مختصر جوابات لکھیں۔

- 1- آزادی کے بنیادی تقاضے کیا ہیں؟
 - 2- نیلسن منڈیلا کی قیمتی میں پرورش کس نے کی؟
 - 3- نیلسن منڈیلا کی زندگی میں کردن مخائے کی کیا اہمیت ہے؟
 - 4- مسٹر گاور نے نیلسن کی زندگی میں کیا کردار ادا کیا؟
 - 5- سفید قام اور ہندوستانیوں نے جنوبی افریقہ کا رخ کیوں کیا؟
- (ج) درست جواب کو نشان (✓) لگائیں۔

- 1- آزادی کی خاطر نیلسن منڈیلا نے..... سال جیل میں گزار دیے

17(ا) 27(ب) 30(ج) 33(د)

- 2- کلارک بری کالج منڈیلا کے لیے مفید رہا کیونکہ

(ا) اس کے دل میں آزادی کی تڑپ پیدا ہوتی
(ب) وسعت نظر پیدا ہوگی
(ج) تعصبات کم ہوئے
(د) حصول علم کی راہیں کشادہ ہوئیں

- 3- فورٹ ہیریوینورسٹی کالج کو دیکھ کر منڈیلا کو خوشگوار حیرت ہوتی کیونکہ

(ا) یہ اس کے خوابوں سے زیادہ خوب صورت تھا
(ب) اعلیٰ ترین تعلیمی ادارہ تھا
(ج) تہذیب اور دانش یک جاتھے
(د) ا، ب، ج

- 4- تعلیم کے دوران میں منڈیلا نے محسوس کیا کہ سفید قام کالوں سے

(ا) تعصب برتتے ہیں
(ب) پڑھائی میں آگے ہیں
(ج) خود کو حاکم سمجھتے ہیں
(د) زیادہ ذہین ہیں

5۔ نیلسن منڈیلا نے آزادی کے لیے مصائب برداشت کیے لیکن

(ا) آزادی کے حق سے دستبردار نہ ہوئے (ب) عوام کے حقوق کی قیمت وصول نہیں کی

(ج) ان کا جذبہ توانا ہوتا گیا (د) ا، ب، ج

(د) کالم (الف) کا ربط کالم (ب) سے کیجیے اور جواب کالم (ج) میں لکھیں۔

کالم (الف)	کالم (ب)	کالم (ج)
پیدائش	سردار جگلن	
آزادی کی تڑپ	13 سال	
چونا	چوکیداری	
سرپرستی	کردن مخائے	
کان	مویزو	
	27 سال	

(ہ) طلبہ کے لیے سرگرمیاں

1۔ نیلسن منڈیلا کی اس آپ بیتی کی روشنی میں آپ کیا سمجھتے ہیں کہ ایک اچھے رہنما کی خوبیاں کیا کیا ہونی چاہئیں۔ ”رہنما کے اوصاف“ کے عنوان سے یہ لکھ کر کمرہ جماعت میں آویزاں کریں۔

2۔ اپنے آزادی کے رہنماؤں (قائد اعظم، علامہ محمد اقبال، محمد علی جوہر، حسرت موہانی، فاطمہ جناح وغیرہ) کا تصویری الم بنا کر محفوظ کریں۔

(و) اساتذہ کے لیے ہدایات

1۔ ”آزادی کے تقاضے اور رہنما“ کے موضوع پر ایک تحریری مقابلے کا اہتمام کریں اور اول دوم آنے والے طلبہ کو انعامات دیں۔





عبدالستار ایدھی

آج سے پون صدی پہلے کی بات ہے۔ جونا گڑھ کے ایک نواحی گاؤں منتوا میں ایک بچہ پیدا ہوا۔ ان کے والد کپڑے کے تاجر تھے۔ وہ ایک متوسط گھرانہ تھا جہاں دولت کی ریل پیل تو نہ تھی، لیکن گزرا اوقات اچھی طرح ہو رہی تھی۔ وہ بچہ عام بچوں کی طرح پرورش پا رہا تھا۔ اسے دیکھ کر کوئی بھی پیش گوئی نہ کر سکتا تھا کہ بڑا ہو کر یہ بچہ عالمگیر شہرت حاصل کرے گا۔ البتہ اس کی تربیت میں ایک بات معمول سے ہٹ کر ہوئی۔ وہ بچہ جب صبح سکول جاتا تو ماں روزانہ اسے دو پیسے دیتی، ایک اپنے لیے اور دوسرا کسی غریب بچے کے لیے۔ وہ سادہ سی دیہاتی عورت تھی جو بچوں کی نشوونما اور تربیت کے نفسیاتی گروتو نہیں جانتی تھی، لیکن اس کے درد مند جذبے نے بچے کے دل میں خدمتِ خلق کا جو بیج بودیا وہ آج ایک تن آور درخت بن چکا ہے۔ جس کی ٹھنڈی چھاؤں میں زمانے کی کڑی دھوپ کے ستارے لوگ سکھ کا سانس لیتے ہیں۔ خدمتِ خلق کی دنیا کی اس طلسمی شخصیت (LEGEND) کا نام عبدالستار ایدھی ہے۔

عبدالستار ایدھی 1928ء میں پیدا ہوئے۔ وہ تعلیم کے میدان میں زیادہ آگے نہ بڑھ سکے۔ قدرت جب کسی فرد سے کام لینا چاہے، تو اسباب بھی پیدا کر دیتی ہے۔ پاکستان کے ایک صدر کی بیٹی ذہنی طور پر معذور تھی۔ باپ کو اس کی معذوری کے دکھ نے ایک راستہ دکھایا اور ملک بھر میں معذوروں کی امداد اور دیکھ بھال کے بہت سے ادارے وجود میں آ گئے۔ عمران خان کو کرکٹ کے میدان میں بہت شہرت ملی۔ اس کی والدہ کینسر کی مریضہ تھیں۔ عمران خان کو اپنی والدہ کے دکھ دیکھ کر کینسر کے مریضوں کی خدمت کا خیال آیا اور اس نے عزم و ہمت سے کام لے کر ایک بہت بڑا ہسپتال بنا ڈالا۔ عبدالستار ایدھی کی عمر 11 سال کی تھی کہ ماں کو فالج ہو گیا اور وہ ذہنی طور پر معذور ہو گئیں۔ ماں نے بچے کو خدمتِ خلق کا جو درس دیا تھا وہ اسے بھولا نہیں تھا۔ وہ دن رات ماں کی خدمت میں لگا رہتا۔ منہ ہاتھ دھلانا، کھانا کھانا، صفائی پر توجہ دینا وغیرہ۔ بیماری نے طول پکڑا تو بچے کے ذہن میں خدمت کا جذبہ اور توانا ہو گیا۔ ایدھی نے ماں کی اذیت بھری زندگی کو جتنا قریب سے دیکھا۔ دکھی انسانیت کی خدمت کے لیے تڑپ اتنی ہی شدت اختیار کرتی گئی۔ اور پھر انھوں نے بے سہارا لوگوں کی خدمت کے لیے زندگی وقف کر دی۔

عبدالستار ایدھی کی عمر 19 سال تھی جب ان کی والدہ وفات پا گئیں۔ ملک تقسیم ہوا اور وہ جونا گڑھ سے کراچی آئے۔ انھوں نے یہاں کئی ملازمتیں کیں اور کئی کاروبار شروع کیے مگر کہیں بھی ان کا جی نہ لگا۔ آخر کار انھیں حاجی عثمان، عبدالغنی ایدھی اور میاں عبدالستار بوہرا جیسے کچھ اور ساتھی مل گئے اور ان سب نے مل کر ”خدمتِ خلق“ کمیٹی بنائی۔ ایک ڈسپنری کھولی جس کے اخراجات تو حاجی عثمان نے برداشت کیے۔ البتہ انتظام و انصرام ایدھی کے ذمے تھا۔ وہ رات کو بھی وہیں فرش پر سو رہتے تاکہ کوئی مریض مایوس نہ لوٹے۔ کچھ عرصے بعد انھوں نے ”مدینہ ٹرسٹ“ کے نام سے الگ ٹرسٹ بنالیا اور بعد میں ”عبدالستار ایدھی ٹرسٹ“ قائم ہوا۔ ان کے رفاہی کاموں کی وجہ سے لوگوں کا

”ایڈمی فاؤنڈیشن“ پاکستان کا سب سے بڑا رفاہی ادارہ ہے۔ اس کی کافی شاخیں خدمت کے لیے چوبیس گھنٹے کھلی رہتی ہیں۔ ان کے پاس 1800 سے زائد ایمبولینس ہیں۔ انیر ایمبولینس میں دو طیارے اور ایک ہیلی کاپٹر بھی میسر ہیں۔ کراچی میں ایمبولینس کنٹرول روم ہے جسے موبائل وائرلیس نظام سے جوڑ دیا گیا ہے۔ اطلاعات کا پورا نظام کام کر رہا ہے۔ ملک بھر میں کہیں بھی حادثہ ہو انھیں فوری اطلاع ملتی ہے۔ پولیس اور دیگر سرکاری ادارے بھی ان سے معلومات اور مدد لیتے ہیں۔ ایڈمی کے مختلف رفاہی مراکز میں دو ہزار ملازم کام کرتے ہیں جن میں 500 خواتین بھی شامل ہیں۔ دیگر بے شمار مرد اور خواتین بلا معاوضہ رضا کارانہ خدمات سرانجام دیتے ہیں۔

ایڈمی فاؤنڈیشن کی خدمات کا دائرہ دیگر ممالک تک وسیع ہو چکا ہے۔ دنیا بھر میں کہیں زلزلہ آئے یا طوفان یا کوئی اور قدرتی آفت یا جنگ سے تباہی پھیلے، ایڈمی فوراً ضروری امدادی سامان لے کر پہنچتے ہیں۔ اب تک وہ افغانستان، لبنان، بنگلہ دیش، ایتھوپیا، آرمینیا، ابران، کویت، عراق، رومانیہ اور جاپان میں سماجی خدمات سرانجام دے چکے ہیں۔ ایڈمی انٹرنیشنل کے تحت کئی ایک منصوبے زیر تکمیل ہیں۔ چھ ارب ڈالر کے خرچ سے دوہی میں ایڈمی سنٹر قائم کیا جا رہا ہے، جس سے افریقی ممالک میں خدمات سرانجام دینا آسان ہو جائے گا۔

ایڈمی مختلف اقسام کی خدمات سرانجام دے رہے تھے۔ اگرچہ وہ زیادہ تعلیم یافتہ نہیں ہیں، لیکن خدمتِ خلق کے میدان میں ایڈمی کا تجربہ اور ان کی صلاحیت (VISION) بہت وسیع تھی۔ وہ ایسی خدمات سرانجام دے رہے تھے جن کے بارے میں عام آدمی کچھ بھی نہیں جانتا۔ اسی طرح ان کے مستقبل کے منصوبے دیکھ کر حیرت ہوتی تھی کہ انسانوں کے دکھوں کی فہرست کتنی طویل اور ایڈمی کی سوچ کا دائرہ کتنا وسیع تھا۔ یتیم اور بے سہارا، گھروں سے بھاگے ہوئے اور ذہنی معذور بچوں کے لیے انھوں نے ”اپنا گھر“ کے نام سے ادارے قائم کیے تھے۔ انھیں فرصت میسر آتی تو وہاں جا کر بچوں سے پیار کرتے تھے۔ بچے بھی انھیں دیکھ کر خوش ہوتے تھے۔ وہ سب انھیں ”نانا جی“ کہتے تھے۔ کینسر ریسرچ ہسپتال اور انٹرنیشنل کیونٹی سنٹر بھی قائم کیے تھے۔ انھوں نے بیمار، زخمی اور لنگڑے جانوروں کے لیے مراکز بھی قائم کیے تھے۔

ایڈمی جہاں موجودہ منصوبوں کو وسیع دینا چاہتے تھے وہاں ان کے کچھ خواب بھی تھے۔ وہ صدقِ دل سے چاہتے تھے کہ کوئی غریب، غریب نہ رہے اور ہر دکھی انسان سکھی ہو جائے۔ وہ چاہتے تھے کہ لاچار لوگوں کے لیے گھر بنائے جائیں، نشہ کرنے والوں کے علاج کے لیے مراکز کا قیام، کمیونٹی سنٹر اور مزید ہسپتال کھولنا ان کے منصوبوں کا حصہ تھے۔ ایک بڑا منصوبہ یہ بھی تھا کہ ایڈمی پبلک کچن بنائے جائیں جہاں غریبوں کو مفت کھانا مل سکے۔ وہ پس ماندہ علاقوں خصوصاً بلوچستان اور چولستان میں خدمت کے لیے دیہی مراکز بھی قائم کرنا چاہتے تھے۔

ایڈمی کی بیوی بلیکس ایڈمی ایک فری میٹرنی ہوم چلاتی ہیں اور بے سہارا بچے اپناتی ہیں۔ ایڈمی کے دو بیٹے اور دو بیٹیاں ہیں۔ انھوں نے اپنے گھر کے اخراجات کے لیے الگ سے بندوبست کیا ہوا ہے اور وہ فاؤنڈیشن کا کوئی پیسہ اپنی ذات پر خرچ نہیں کرتے اور نہایت سادہ زندگی بسر کرتے تھے۔ عام طور پر بلشیا کے کپڑے اور چپل میں ملبوس ہوتے تھے۔ صبح سویرے چار پانچ بجے اٹھتے تھے۔ اپنی صبح کا آغاز تلاوت قرآن مجید سے کرتے تھے اور وہ زندہ رہنے کے لیے کم سے کم خوراک کھاتے تھے۔

وہ صلہ و ستائش سے بے نیاز ہمہ وقت سماجی خدمت میں مصروف رہتے تھے۔ دنیا بھر میں ان کی

خدمات کا اعتراف کیا گیا ہے۔ لوگ انھیں رحمت کا فرشتہ (Angel of Mercy) کہتے ہیں۔ ان کا نام گینٹر بک آف ورلڈ ریکارڈ میں درج ہے۔ خدمتِ خلق کے حوالے سے ان کو عظیم انسان قرار دیا گیا ہے۔ معمولی پڑھا لکھا بوڑھا اتنا بڑا کام سرانجام دے رہے تھے کہ شاید کئی ادارے مل کر بھی ایسا کام سرانجام نہ دے سکیں۔ فلپائن نے انھیں سب سے بڑا رسول اعزاز دیا ہے۔ روس اور کئی دیگر ممالک نے ان کی خدمات کے صلے میں انھیں اعزازات دیے۔ حکومتِ پاکستان نے بھی نشانِ امتیاز دیا۔ 2007ء میں ان کا نام نوبل انعام کے لیے بھی تجویز کیا گیا تھا۔ نوجوان نسل کے لیے ان کا پیغام ہے ”انسان ہو، انسان بناؤ اور انسانیت کی خدمت کرو“۔ ایدھی بلاشبہ ایک عظیم انسان تھے۔ ان کی زندگی انسانی خدمت سے عبارت تھی۔ وہ مذہب و ملت کے افراد کی خدمت کرنا عبادت قرار دیتے تھے۔ یہ عظیم انسان 8 جولائی 2016 کو اس دار فانی سے کوچ کر گئے۔ مگر ان کی خدمات ہمیشہ جاری رہیں گی۔

مشق

(الف) مفصل جواب لکھیے۔

- 1- عبدالستار ایدھی کی سماجی خدمات پر نوٹ لکھیں۔
- (ب) سوالات کے مختصر جوابات لکھیں۔
- 1- عبدالستار ایدھی کی تربیت کا نمایاں پہلو کیا ہے؟
- 2- ایدھی کے ذہن میں سماجی خدمات کا جذبہ پروان چڑھانے میں کس کا کردار زیادہ اہم ہے؟
- 3- ایدھی نے خدمتِ خلق کی ابتدا کیسے کی؟
- 4- ایدھی کو خدمتِ خلق کے میدان میں کیا امتیاز حاصل ہے؟
- 5- فرصت کے اوقات میں ایدھی کیا کرتے ہیں؟
- 6- ایدھی نے نوجوان نسل کے لیے کیا پیغام دیا ہے؟
- (ج) درست جواب کو نشان (✓) لگائیں۔

- 1- عبدالستار ایدھی کے دل میں خدمتِ خلق کا بیج..... نے بویا۔
- (ا) ابتدائی سکول کے اساتذہ
- (ب) ماں کی محبت اور تربیت
- (ج) دردمندوں کے تقاضے
- (د) ا، ب، ج
- 2- ایدھی کے ذہن کو خدمتِ خلق کے لیے یکسو کیا۔
- (ا) اس ایک پیسے نے جو ماں نے اسے بچپن میں دوسروں کے لیے دیتی
- (ب) ماں کی معذوری
- (ج) لوگوں کے دکھوں
- (د) غربت کے احساس
- 3- ایدھی فاؤنڈیشن کے خدمات کے سلسلے میں بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔
- (ا) ایبوسینس بیڑا
- (ب) اطلاعاتی نظام
- (ج) ہسپتال
- (د) لنگر

4- ایدھی کو سب سے بڑا سول اعزاز..... نے دیا

(ا) امریکہ (ب) برطانیہ (ج) فلپائن (د) جاپان

5- ایدھی کی خدمات سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ سب کچھ ان میں..... کی وجہ سے ہے۔

(ا) تعلیم (ب) زرو مال (ج) جذبہ خدمت خلق (د) دیکھی انسانوں کے لیے درود

(د) خالی جگہ پُر کیجیے۔

1- عبدالستار ایدھی ایک..... گھرانے میں پیدا ہوئے۔

2- عبدالستار ایدھی کی والدہ کو..... ہو گیا۔

3- ان کے پاس..... سے زائد ایمو لینس پر مشتمل بیڑا ہے۔

4- ان کی بیگم ایک فری..... چلاتی ہیں۔

5- ایدھی کا نام..... میں نوبل پرائز کے لیے نامزد کیا گیا۔

(ہ) طلبہ کے لیے سرگرمیاں

1- ہر بچہ کھڑے ہو کر سکاؤٹوں کی طرح اپنی آن پر وعدہ کرے کہ وہ ہر روز ایک کام دوسروں کی خدمت کے لیے کرے گا پھر اس آن پر

قائم رہے۔

2- ایک ڈائری بنائیں جس پر ہر روز سونے سے قبل درج کریں کہ آج آپ نے دوسروں کے سکھ کے لیے کیا کیا۔ یہ بات آپ کا دل

مسرتوں سے بھر دے گی۔

(و) اساتذہ کے لیے ہدایات

1- طلبہ کو ایسی کہانیاں سنائیں جس سے ان کے دل میں خدمت خلق کا جذبہ پیدا ہوا۔

2- ایدھی کی اپیل پر آپ اور دیگر طلبہ عطیات اکٹھے کر کے جمع کرائیں۔



مدرٹریا نے ہندوستان میں غریبوں اور بے سہارا انسانوں کو جینے کا سلیقہ اور حوصلہ دیا۔ انھوں نے اندھوں کی مدد کے لیے سنٹر کھولے، بوڑھوں کے لیے الگ مراکز قائم کیے۔ معذوروں اور دیگر مریضوں کے علاج اور فوری مدد کے لیے ڈسپنسریاں اور ہسپتال بنوائے۔ 1970ء میں کولکتہ میں ساٹھ مراکز قائم تھے اور ایک ہزار راہبات ان میں کام کر رہی تھیں۔ بعد میں ہسپتالوں اور ڈسپنسریوں کی تعداد بڑھ کر 54 اور 213 ہو گئی۔ مدرٹریا نے ایک اور منفرد کام کیا کہ جذامیوں کے لیے الگ سے شانی نگر بستی قائم کر دی۔ یتیم خانے اس کے علاوہ تھے۔ جو مادر مہربان کی نگرانی میں سرگرم عمل تھے۔

ہندوستان میں ان کے کام کو استحکام ملا، تو انھوں نے اپنے رفائی کام کا دائرہ دوسرے ممالک تک وسیع کر دیا۔ پوپ کی اجازت سے مشنریز آف چیریٹی کے حوالے سے وہ بین الاقوامی مذہبی خاندان کا حصہ بن گئیں۔ اب یہ کام بڑھتا گیا اور ان کی تنظیم ایک بین الاقوامی تنظیم بن گئی۔ 1979ء میں اس کی شاخیں مشرقی یورپ، افریقہ، لاطینی امریکہ اور ایشیا کے بہت سے ممالک میں قائم ہو گئیں اور قدرتی آفات، وبائی امراض، ایڈز کے مریضوں اور شرابیوں کی مدد اور علاج کے لیے وہ سرگرم عمل رہیں۔ 1990ء میں دنیا کے چالیس ممالک میں نوے لاکھ افراد مدرٹریا کے قائم کردہ اداروں میں کام کر رہے تھے۔ اب وہ خود بیمار رہنے لگیں اس لیے اپنے مشن سے مستعفی ہو گئیں اور وہ 5 ستمبر 1997ء کو اس دنیا سے رخصت ہو گئیں۔

مدرٹریا نے مفلس اور بے سہارا لوگوں کے لیے مختلف اقسام کی خدمات سرانجام دیں۔ دنیا بھر میں ان کو سراہا گیا۔ انھیں 1979ء میں سماجی خدمات کا ”نوبل انعام“ دیا گیا۔ حکومت ہند نے انھیں سول اعزاز پدم شری اور نہرو ایوارڈ دیا۔ پوپ پال نے اسن انعام اور فلپائن نے انھیں سب سے بڑے سماجی اعزاز سے نوازا۔ انھیں اس کے علاوہ بھی بہت سے ملکوں نے اعزازات عطا کیے۔ ان کا سب سے بڑا اعزاز یہ ہے کہ بہت بڑی تعداد میں غریبوں، بیماروں اور دکھی انسانوں نے انھیں گہرے دکھ اور احساس تشکر کے آنسوؤں سے لبریز آنکھوں کے ساتھ روانہ کیا۔ ان کا نعرہ تھا ”غریبوں کو معلوم ہو کہ ہم ان سے محبت کرتے ہیں“ اور ”غربت کا خاتمہ باہمی اشتراک سے ہی ممکن ہے“۔

مدرٹریا مسیحی راہبہ تھیں۔ انھوں نے پوپ سے اجازت لے کر سماجی اور فلاح و بہبود کے کام کیے۔ مسیحی مذہب میں عوامی خدمات عموماً مرد انجام دیتے ہیں۔ جبکہ مدرٹریا نے خاتون ہوتے ہوئے بے سہارا انسانوں کو مضبوط سہارا فراہم کیا۔ ان کی انسانی خدمت کی لگن اور جذبے سے متاثر ہو کر پوپ نے بھی انہیں عوامی فلاح و بہبود کے کام کرنے کی اجازت دی۔ ان سب باتوں سے سبق ملتا ہے۔ کہ انسانوں کی خدمت ایک عظیم کام ہے جس کا صلہ خدائے بزرگ و برتر سے ملتا ہے اور جس سے انسانیت کا بھلا ہوتا ہے۔

(الف) مفصل جواب لکھیں۔

i۔ مدرٹریا کی خدمات کا احاطہ کیجیے۔

(ب) سوالات کے مختصر جوابات لکھیں۔

1۔ مدرٹریا کہاں پیدا ہوئیں؟

2۔ کولکتہ میں وہ کس سکول سے وابستہ رہیں؟

3۔ مدرٹریا نے کونسی اور جذامیوں کے لیے کیا خاص خدمت سرانجام دیں؟

4۔ اپنا الگ نظام قائم کرنے کے لیے انھیں کس سے اجازت لینا پڑی؟

5۔ مدرٹریا کے قائم کردہ ادارے کا نام کیا تھا؟

(ج) درج ذیل سوالوں کے درست جواب کا انتخاب کیجیے۔

1۔ مدرٹریا نے ایک ہستی شائق نگر..... کے لیے بسائی۔

(الف) قییموں (ب) اندھوں (ج) جذامیوں (د) معذوروں

2۔ مدرٹریا نے ہندوستان آکر کس مقام پر مشن میں شامل ہوئیں۔

(الف) شملہ (ب) دارجلنگ (ج) مسوری (د) کولکتہ

3۔ مدرٹریا نے ہندوستان میں راہب کا حلف اٹھایا۔

(الف) 1928ء (ب) 1931ء (ج) 1934ء (د) 1936ء

4۔ مدرٹریا کو نوبل انعام..... میں ملا۔

(الف) 1979ء (ب) 1989ء (ج) 1999ء (د) 2006ء

5۔ 1990ء میں ان کا کام..... ممالک میں پھیل چکا تھا۔

(الف) 40 (ب) 45 (ج) 50 (د) 60

(د) صحیح جملے کے سامنے ص اور غلط کے سامنے غ لکھیں۔

1۔ مدرٹریا اٹلی میں تربیت کے بعد ہندوستان چلی آئیں۔

2۔ مدرٹریا نے دل کی آواز پر بلیک کہتے ہوئے تدریس کا شعبہ چھوڑ دیا۔

3۔ 1990ء میں ان کے مشن سے وابستہ افراد کی تعداد 90 ہزار تھی۔

4- غریب لوگوں کا اظہار تشکر ان کے لیے نوبل انعام سے بڑا اعزاز تھا۔

5- 1948ء میں پوپ نے انھیں خود مختار راہبہ کی حیثیت سے کام کرنے کی اجازت دے دی۔

(ہ) طلبہ کے لیے سرگرمیاں

1- آپ کو مدرٹریا کی کون سی بات اچھی لگی؟ ہر ایک طالب علم نوٹ کرے۔ پھر سب طلبہ کی پسند کی فہرست بنائیں اور ان اچھی باتوں کو

ترتیب دے کر ایک چارٹ بنائیں۔

2- ہر طالب علم خدمت خلق کی اہمیت پر ایک صفحے کا نوٹ لکھے۔

(و) اساتذہ کے لیے ہدایات:

1- طلبہ کو بتایا جائے کہ خدمت خلق کا مذہب سے گہرا تعلق ہے۔

2- طلبہ سے اپنے شہر کے کسی ایسے معروف کارکن کے حالات دریافت کریں جو خدمت خلق میں پیش پیش رہتا ہو۔



ڈاکٹر محمد یونس----- بیماری غربت کا مسیحا



ڈاکٹر محمد یونس

غربت، بیماری، جہالت اور بھوک تیسری دنیا کے بڑے بڑے روگ ہیں جنہیں دیکھ کر ہر حساس دل تڑپ اٹھتا ہے۔ ذرا غور کریں تو معلوم ہوگا کہ یہ احساس اور درد دل ہی انسانیت کا بہترین جوہر ہے۔ بعض اوقات یہی احساس کسی نہ کسی صاحبِ دل کو ایسی تحریک دیتا ہے کہ وہ اٹھ کھڑا ہوتا ہے اور اپنے فکر و عمل سے لاکھوں انسانوں کے دکھوں کا مداوا کر دیتا ہے۔ ایسا ہی ایک واقعہ جنوب مشرقی ایشیا کے ایک پس ماندہ اور ترقی پذیر ملک میں پیش آیا۔ معاشیات کے ایک استاد دن بھر یونیورسٹی میں پڑھاتے اور شام کو قریبی دیہات میں نکل جاتے۔ وہ غریب لوگوں کو مزدوری کرتے دیکھتے۔ جب انہیں معلوم ہوا کہ مزدور خواتین کی دن بھر کی

مزدوری صرف دو مٹھی چاول ہیں اور یہ سب افراد قرض کے آہنی شکنجوں میں جکڑے ہوئے ہیں تو ان کا دل پسچ گیا۔ انہیں بخوبی معلوم تھا کہ کسی فرد یا ملک کی کمزور معیشت انہیں گھن کی طرح چاٹ جاتی ہے۔ انہوں نے تہیہ کر لیا کہ وہ ان غربت کے مارے انسانوں کو قرض سے نجات دلائیں گے۔ انہوں نے منصوبہ بنایا اور فوراً عمل بھی شروع کر دیا۔ چند سالوں میں انہوں نے کاپیلت دی۔ اس درد مند انسان کا نام ڈاکٹر محمد یونس ہے۔ ان کی سماجی خدمات کے اعتراف میں انہیں 2006 میں نوبل انعام دیا گیا۔

محمد یونس 28 جون 1940ء کو چٹاگانگ کے ایک گاؤں میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد ایک صراف تھے۔ انہوں نے اعلیٰ ثانوی درجہ تک تعلیم چٹاگانگ میں حاصل کی۔ بی اے اور ایم اے معاشیات کے امتحانات ڈھاکہ یونیورسٹی سے پاس کیے اور وہ اعلیٰ تعلیم کے لیے امریکہ چلے گئے۔ پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد وہ کچھ عرصہ کولمبو یونیورسٹی سری لنکا میں معاشیات کے استاد رہے۔ بعد ازاں وہ چٹاگانگ یونیورسٹی میں معاشیات کے استاد مقرر ہوئے۔

ڈاکٹر محمد یونس عام لوگوں کی حالت سے آگاہ تھے، مگر اس غربت کی وجوہات جاننے اور ذاتی مشاہدے کے لیے وہ یونیورسٹی کے نواحی گاؤں جو ہر اچلے گئے۔ وہاں انہوں نے ایک مزدور بڑھیا کا انٹرویو کیا اور گلی کے دیگر لوگوں کے حالات کا جائزہ لیا۔ انہیں معلوم ہوا کہ وہ لوگ 10% سود ہفتہ کی بنیاد پر قرض لیتے ہیں اور مال تیار کرتے ہیں۔ ساہوکار آکر مال لے جاتا ہے اور انہیں دن بھر کی مزدوری دو مٹھی چاول دے جاتا ہے۔ یہ سب کارکن بری طرح استحصال کا شکار ہو رہے تھے۔ انہوں نے دیکھا کہ 42 گھرانوں کو قرض سے نجات دلانے کے لیے صرف 27 ڈالر کی ضرورت ہوتی ہے چنانچہ انہوں نے اپنی جیب سے 27 ڈالر دے کر ان افراد کو قرض سے نجات دلادی۔ یہیں سے ان کے ذہن میں ”گرامین بینک“ قائم کرنے کا خیال پیدا ہوا۔

ڈاکٹر محمد یونس نے حالات کا تجزیہ کیا۔ اس معاشرے میں کارکن خواتین کی خاصی بڑی تعداد تھی۔ ان کا یقین ہے کہ مالی معاملات میں خواتین زیادہ ذمہ دار ہوتی ہیں۔ وہ مردوں کے مقابلے میں صرف دو فیصد تاہندہ ہوتی ہیں اور قرض کے مقابلے میں ان پر زیادہ اعتماد کیا جا

سکتا ہے۔ انھوں نے پہلے ذاتی ضمانت پر گاؤں کی کارکن خواتین کو تین سو ڈالر کا قرض لے کر دیا۔ خواتین نے یہ بلا سود قرض آسان قسطوں میں واپس کر دیا۔ تب ان کا اعتماد یقین میں بدل گیا۔ چنانچہ انھوں نے گرامین (دیہی) بینک کھول دیا۔

دسمبر 1976ء میں اس بینک کا افتتاح ہوا اور پھر یہ مسلسل ترقی کرتا گیا۔ حکومت کی توجہ ہوئی تو حکومتی امداد بھی ملنی شروع ہو گئی۔ 1983ء میں اس بینک کو باقاعدہ بینک کی شکل حاصل ہوئی۔ چونکہ یہ دیہی بینک ہے اور دیہاتیوں کو بلا ضمانت قرض دیتا ہے۔ اس لیے اس کی زیادہ پیش رفت اور ترقی دیہات ہی میں ہے۔ 2006ء کے آتے آتے اس بینک کی 2226 شاخیں قائم ہو چکی تھیں اور اکہتر ہزار سے زائد دیہات ساہوکاروں کے پنچل سے آزاد ہو چکے تھے۔ اس بینک سے قرض لینے والی 96 فیصد خواتین ہیں اور قرض چکانے کی شرح 98 فیصد ہے۔

ڈاکٹر محمد یونس نے جو طرح ڈالی، وہ قابل رشک ثابت ہوئی چنانچہ بنگلہ دیش کے علاوہ دنیا کے دیگر 45 ممالک میں اسی طرز پر بینک کھولے گئے ہیں اور ان سے فیض یاب ہونے والوں کی تعداد دس کروڑ سے زائد ہو گئی ہے۔ بنگلہ دیش میں قرض خواہوں کی سماجی حالت کافی بدل گئی ہے۔ اب سب کو پنچتہ چھت کے گھرمیسر ہیں۔ انھیں بیمہ صحت کی سہولت بھی حاصل ہے اور ان سب کے بچے سکول جاتے ہیں۔ گرامین بینک نے ایک اور پیش قدمی کی ہے۔ اس نے 45 ہزار بھکاریوں میں سے، ہر ایک کو 100 لکے قرض دیئے۔ ان میں سے ہر ایک ہر ہفتے دو لکے بینک کی قسط ادا کرتا ہے۔ اس طرح وہ افراد بھیک مانگنا چھوڑ کر کام کرنے لگے ہیں اور وہ ملک کے مفید شہری بن چکے ہیں۔ بینک نے گرامین فون اور گرامین ٹیلی کام کمپنیاں بھی قائم کی ہیں اور ایک لاکھ 39 ہزار خواتین کو دیہات میں عوامی فون گھر (PCO) کھول کر دیے ہیں۔ اب بینک ایک اور پیش رفت کرنے کا منصوبہ رکھتا ہے کہ وہ غریب لوگوں کو مچھلی گھر بنا کر دے۔ امید ہے کہ اس منصوبے سے مستقبل میں مزید لاکھوں انسانوں کی تقدیر بدل جائے گی۔

ڈاکٹر محمد یونس کو اس گرامین بینک کی وجہ سے بے پناہ شہرت حاصل ہوئی اور ان کی عزت و وقار میں بے پناہ اضافہ ہوا۔ دنیا بھر میں ان کے منصوبوں کی نہ صرف تعریف کی گئی، بلکہ انھیں بہت سے اعزازات سے بھی نوازا گیا۔ اب تک انھیں اپنے ملک اور دیگر ممالک سے 60 سے زائد اعزازات دیے جا چکے ہیں، جن میں 2006ء میں ملنے والا نوبل انعام بھی شامل ہے۔ صدارتی اعزازات کے علاوہ فلپائن کا سب سے بڑا سماجی اعزاز ”رامن میگلے“ بھی انھیں مل چکا ہے۔ اس کے علاوہ انھیں 26 اعزاز کی پی ایچ ڈی کی ڈگریاں بھی دی جا چکی ہیں۔ وہ بے شمار کمپنیوں کے رکن بھی ہیں۔ اس ساری عزت افزائی کے باوجود، ان کے لیے سب سے بڑا انعام ان خواتین کے تشکر کے جذبات ہیں، جنھیں قرض کے پھندوں سے نجات اور جینے کا سلیقہ نصیب ہوا۔ ڈاکٹر محمد یونس انھی لوگوں کی دعاؤں سے اپنی بیگم اور اپنی بیٹی کے ہمراہ خوش و خرم زندگی بسر کر رہے ہیں۔

ڈاکٹر محمد یونس کی سماجی خدمات سے یہ سبق بھی ملتا ہے کہ انسان کچھ کر گزرنے کا مصمم ارادہ کر لے، منصوبہ بندی اور غور و فکر کے بعد عملی اقدامات کرے، تو وہ بنی نوع انسان کے دکھوں کو کم کر سکتا ہے۔ یہ محض ڈگری کا کمال نہیں کہ ایسی ڈگریاں تو کئی لوگوں کے پاس ہوتی ہیں۔ اصل بات تو درودل کی ہے۔ ان کی شاندار خدمات صرف قابل تحسین ہی نہیں، بلکہ لائق تقلید بھی ہیں۔

پاکستان نے بھی ڈاکٹر محمد یونس کے تجربات اور منصوبوں سے استفادہ کرتے ہوئے دیہی بہبود کے منصوبے بنائے ہیں۔ چنانچہ چھوٹے کاشتکاروں اور چھوٹے کاروباری اصحاب کو قرضے دیئے جاتے ہیں۔ انھیں آسان اقساط میں وصول کیا جاتا ہے جس سے لاکھوں دیہاتی خاندان فائدہ اٹھا رہے ہیں۔

(الف) مفصل جوابات لکھیں۔

1- ڈاکٹر محمد یونس کی عوامی خدمات سے کیا سبق ملتا ہے۔

(ب) سوالات کے مختصر جوابات لکھیں۔

1- انسانیت کا اصل جوہر کیا ہے؟

2- ڈاکٹر محمد یونس کہاں پیدا ہوئے؟

3- ڈاکٹر محمد یونس نے کن دو جامعات میں تعلیم دی؟

4- ڈاکٹر محمد یونس نے 42 مزدوروں کا کتنا قرض اپنی جیب سے ادا کیا؟

5- خواتین کو قرض دینے کا تجربہ کیوں خوش گوار رہا؟

6- ”گرا مین بنک“ کی تھلید میں کتنے ممالک نے بنک کھولے؟

(ج) درست جواب کو نشان لگائیں۔

1- ڈاکٹر محمد یونس..... کے استاد تھے۔

(الف) سماجیات (ب) نفسیات (ج) معاشیات (د) حیوانیات

2- ڈاکٹر محمد یونس نے جامعہ..... میں تدریس کی ابتدا کی۔

(الف) چٹاگانگ (ب) کولمبو (ج) ڈھاکہ (د) علی گڑھ

3- ڈاکٹر محمد یونس کے مطابق مالی معاملات میں زیادہ ذمہ دار ہیں۔

(الف) عورتیں (ب) مرد (ج) بنک افسران (د) عام آدمی

4- ڈاکٹر محمد یونس کے قائم کردہ بنک کا نام..... ہے۔

(الف) چٹاگانگ بنک (ب) گرا مین بنک (ج) نیشنل بنک (د) حبیب بینک

5- ڈاکٹر محمد یونس کو نوبل انعام..... میں دیا گیا۔

(الف) 2006ء (ب) 2007ء (ج) 2008ء (د) 2009ء

(د) کالم (الف) کو کالم (ب) سے ملائیں اور جواب کالم (ج) میں درج کریں۔

کالم (ج)	کالم (ب)	کالم (الف)
	ڈھاکہ یونیورسٹی	دردمند
	چٹاگانگ یونیورسٹی	نوبل انعام
	1976ء	استاد
	2006ء	ایم اے
	محمد یونس	گرامین بینک
	1940ء	

(ه) طلبہ کے لیے سرگرمیاں

- 1- ہر طالب علم ڈاکٹر محمد یونس کی خدمات پر انھیں خراج تحسین پیش کرتے ہوئے ایک صفحہ لکھے۔
- 2- انٹرنیٹ سے گرامین بینک اور ڈاکٹر محمد یونس کے بارے میں مزید معلومات جمع کریں۔

(و) اساتذہ کے لیے ہدایات:

- 1- طلبہ سے عوامی خدمت گاروں (سرگرم کارام، گلاب دیوی، دیال سنگھ وغیرہ) کی تصاویر کا الیم تیار کرائیں اور کمرہ جماعت میں نمایاں جگہ پر لٹکائیں۔
- 2- پاکستان کے بڑے بڑے مخیر حضرات کی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالیں اور طلبہ کو اہم باتیں نوٹ کرنے کو کہیں۔



نجیب محفوظ-----عرب دنیا کا ایک عظیم ناول نگار



نجیب محفوظ

ادب زندگی کا کُنسن ہے اور اس کی تہذیب بھی کرتا ہے اور ادب ہی سے مہذب معاشرے وجود میں آتے ہیں۔ اسی لیے ہر معاشرے میں ادیبوں کی ضرورت و اہمیت کو تسلیم کیا گیا ہے۔ دنیا بھر میں سیکڑوں زبانیں بولی جاتی ہیں اور ان کا دائرہ اثر بھی مختلف ہے۔ جن ممالک میں بڑی زبانیں بولی جاتی ہیں۔ وہاں چھوٹی زبانوں کا دائرہ اثر محدود ہوتا ہے۔ لیکن دنیا کی کوئی زبان ایسی نہیں، جو ادب کے وجود سے خالی ہو۔ بڑی اور قدیم زبانوں کا ادب وسیع ہوتا ہے اور ان کے ادیبوں کی حیثیت بھی مسلمہ ہوتی ہے۔ جو اہل قلم زندگی کی تہذیب و تعمیر میں زیادہ فعال

ہوتے ہیں قدرت ان پر مہربان ہوتی ہے اور دیگر لوگوں کی نسبت وہ زیادہ باصلاحیت اور ذہین ہوتے ہیں۔ وہ عموماً بچپن ہی سے مشق اور مطالعے سے اپنی ان فطری صلاحیتوں کو نکھارنے لگتے ہیں۔ عربی زبان کے عظیم ادیب نجیب محفوظ کو بھی بچپن ہی سے لکھنے سے عشق ہو گیا تھا۔ وہ ابھی تیسری جماعت کے طالب علم تھے کہ ناول پڑھنے لگے۔ انھوں نے یہ عادت بنالی کہ وہ جو بھی ناول پڑھتے، اسے اپنی زبان میں لکھتے، عنوان کا صفحہ بنا کر اس پر اپنا نام بطور مصنف لکھتے۔ نیز فرضی ناشر کا نام بھی تحریر کر دیتے۔ اس مشق نے انہیں اتنا کچھ دیا کہ آگے چل کر یہ بچہ عربی زبان کا بہت بڑا ناول نگار بنا اور 1988ء میں اسے ادب کے نوبل انعام سے نوازا گیا۔

نجیب محفوظ 11 دسمبر 1911ء میں قاہرہ کے محلے الجمالیہ میں پیدا ہوئے۔ اپنے چار بھائیوں اور دو بہنوں میں وہ سب سے چھوٹے تھے۔ چار سال کی عمر میں انہیں سکول میں داخل کر دیا گیا۔ 1934ء میں انہوں نے جامعہ فواد الاول (اب قاہرہ یونیورسٹی) سے فلسفے کے ساتھ بی اے کیا۔ زمانہ طالب علمی میں وہ مسلسل لکھتے رہے۔ اس زمانے میں ڈاکٹر طرہ حسین، عباس محمود، العقاد اور سلامہ موسیٰ جیسے جید ادیبوں کا طوطی بولتا تھا۔ نجیب بھی فکری اعتبار سے اُن سے متاثر ہوئے۔ انگریزی زبان میں دسترس کے لیے انہوں نے اسی دور میں جیمز ہیکس (James Baikie) کی کتاب (History of Egypt) کا 'مصر القدیمہ' کے نام سے عربی زبان میں ترجمہ بھی کیا۔ پوسٹ گریجویشن کے لیے انہوں نے تحقیقی مقالہ لکھنا چاہا، مگر انہوں نے افسانے لکھنے شروع کر دیے اور زندگی بھر کے لیے ادب ہی کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنالیا۔

1936ء سے 1939ء تک وہ اپنی مادر علمی میں انتظامی عہدے پر کام کرتے رہے۔ بعد ازاں انہوں نے وزارت اوقاف میں ملازمت شروع کی اور 1954ء تک وہاں رہے۔ جس کے بعد وہ وزارت ثقافت سے وابستہ ہو گئے اور سبکدوش ہونے تک وہیں کام کرتے رہے۔ بچپن میں ماں انہیں کبھی کبھی عجائب گھر لے جاتی۔ تاریخ سے ان کی دلچسپی ہمیشہ رہی۔ انہوں نے ناولوں کے نام بھی قاہرہ کے مختلف محلوں کے نام پر رکھے ہیں۔ 1919ء میں مصر میں انقلاب آیا۔ انھوں نے جگہ جگہ لاشوں کے ڈھیر اور خاک و خون کے مناظر اپنی آنکھوں سے دیکھے۔ ان پر وندی تحریک کے اثرات بھی مرتب ہوئے۔ وہ گہرا سماجی شعور رکھتے تھے۔ یہ سب کچھ اُن کے شعور سے لاشعور میں اتر گیا۔ نجیب محفوظ زیادہ لکھنے والے ادیب تھے لیکن انھوں نے اپنے معیار کو ہمیشہ برقرار رکھا۔ 1934ء سے 1939ء تک انھوں نے 80 کے لگ

بہگ افسانے شائع کرائے۔ پھر وقفے وقفے سے ان کے افسانوں کے کئی مجموعے منظر عام پر آئے۔ انھوں نے 1967ء کی عرب اسرائیل جنگ کے بعد جو افسانے لکھے وہ پانچ مجموعوں میں شائع ہوئے۔ موضوع اور تکنیک کے لحاظ سے یہ افسانے بلند پایہ شمار ہوتے ہیں۔ ان میں سیاسی رنگ غالب ہے۔ مگر نجیب کا اصل ادبی میدان ناول نگاری ہی ہے۔

ناول سے انھیں بچپن ہی سے دلچسپی تھی۔ انھوں نے تیسری جماعت میں اپنے دوست یحییٰ صقر سے ایک جاسوسی ناول لے کر پڑھا اور پھر یہ تسلسل کبھی نہ ٹوٹا۔ انھوں نے جو ناول لکھے، ان میں تاریخی ناولوں کی طرف رجحان غالب نظر آتا ہے۔ چنانچہ بڑے غور و فکر کے بعد مصر قدیم فرعون کی دور پر 35 ناول لکھنے کا پروگرام بنایا، مگر وہ صرف تین ناول لکھ پائے۔ یہ ناول 1939ء، 1943ء اور 1944ء میں شائع ہوئے۔ اس کے بعد ان کے ذہن پر عصری ثقافتے غالب آ گئے۔ اب ان کی ناول نگاری کی رفتار تیز ہو گئی اور تقریباً ہر سال ایک ناول شائع ہونے لگا۔ متوسط اور نچلے محنت کش طبقے کی زندگی کی عکاسی ان کے ناولوں کا امتیازی پہلو تھا۔

1946ء سے 1952ء تک وہ ایک ضخیم ناول لکھ پائے۔ یہ ایک ایسا شاہکار ہے جو نہ صرف عربی ادب بلکہ اپنے دور کی معاشرتی تاریخ میں اعلیٰ اہمیت کا حامل ہے۔ 1163 صفحات کے اس ناول کو ایک جلد میں شائع کرنا ممکن نہ تھا، اس لیے یہ تین جلدوں میں تین مختلف ناموں سے شائع ہوا اور ادبی حلقوں میں یہ ناول ”الامامیہ“ کے نام سے مشہور ہوا۔ اس کے بعد نجیب محفوظ کی تحریروں میں قحط کا دور آیا۔ اور سات سال بعد ”اولادنا حارثنا“ 1959ء میں منظر عام پر آیا۔ اس میں بعض پیغمبروں کے علامتی کردار کو تمثیلی انداز میں اس طرح پیش کیا گیا جو مہذب حلقوں میں نامناسب سمجھا جاتا ہے۔ چنانچہ مصر میں اس کی اشاعت پر آج تک پابندی عائد ہے البتہ یہ بیروت سے 1967ء میں شائع ہوا۔ اب ان کی توجہ مسلسل ناول نگاری پر مرکوز رہی۔ 1962ء سے 1988ء تک ان کے مزید 22 ناول منظر عام پر آئے ہیں۔ جولائی 2006ء میں ان کا آخری ناول شائع ہوا۔

نجیب محفوظ کے چالیس ناول، بہت سے افسانے اور ڈرامے شائع ہوئے۔ انھوں نے فلمی دنیا کے لیے بھی ڈرامے تحریر کیے۔ ان کے نصف سے زائد ناولوں پر فلمیں بن چکی ہیں۔ اس کے علاوہ ان کے کئی ناولوں کے تراجم انگریزی، فرانسیسی، جرمن اور سویڈش زبانوں میں ہو چکے ہیں۔ ان کے ضخیم ناول کا ترجمہ اسرائیل میں عبرانی زبان میں بھی ہوا۔ نوبل انعام نے ان کو شہرت کی بام عروج پر پہنچایا، لیکن اس سے پہلے عربی زبان کے بڑے بڑے ادیب ان کے ناولوں پر خراج تحسین پیش کر چکے تھے۔ ان میں عرب دنیا کے نامور ادباء ڈاکٹر طحطاہ حسین، عباس محمود، العقاد اور توفیق الحکیم بھی شامل تھے۔ نجیب نے ان لوگوں کو ہمیشہ احترام کی نظر سے دیکھا اور نوبل انعام ملنے پر انھیں یاد کرتے ہوئے اپنے سے زیادہ انھیں اس انعام کا حق دار قرار دیا۔

ان کے افکار متنازع بھی رہے۔ اسی وجہ سے انھیں تشدد بھی سہنا پڑا۔ ان کی زندگی سے یہ سبق ملتا ہے کہ اپنی فطرتی صلاحیتوں کا ادراک ہو اور مسلسل محنت کی جائے تو ذہانت چھپی نہیں رہتی۔ انھوں نے تیسری جماعت میں لکھنا شروع کیا، جب بمشکل ان کی عمر نو دس سال ہو گئی اور 94 سال کی عمر میں فوت ہوئے، موت آنے تک وہ لکھتے ہی رہے۔ ساری عمر لکھتے رہنا بذات خود ایک بڑی عزیمت کی بات ہے۔

انھیں لکھنے سے عشق تھا۔ بچپن سے موت تک انھیں طرح طرح کے حالات کا سامنا رہا لیکن ان کا قلم کبھی نہ رکا اور موت آنے تک وہ مسلسل لکھتے چلے گئے۔ ایک دفعہ کہنے لگے کہ اگر کسی روز لکھنے کی امنگ مجھ سے چھین جائے، تو میری خواہش ہوگی کہ وہ دن میری زندگی کا

آخری دن ہو۔ 1994ء میں ان پر قاتلانہ حملہ ہوا۔ وہ زخمی ہو گئے ان کی گردن پر چھریوں کے وار کے بعد ان کے داہنے ہاتھ نے کام کرنا چھوڑ دیا تھا۔ بڑھاپے کی کمزوریوں نے انہیں اور نحیف کر دیا تھا۔ وہ السر، گردوں اور دل کے مریض تھے اور نظر بھی کمزور ہو گئی تھی۔ قلم پکڑتے تو صرف چند منٹ لکھ پاتے، مگر لکھتے ہی رہے۔ 31 اگست 2006ء کو ان کی زندگی کا چراغ گل ہو گیا اور انہیں پورے فوجی اعزاز کے ساتھ قاہرہ میں دفن کر دیا گیا۔

نجیب محفوظ اپنی بھرپور ادبی زندگی گزار کر اس دنیا سے سدھار گئے۔ لیکن وہ عربی ناول نگاری اور ڈرامہ نویسی کو اچھوتا اسلوب دے گئے۔ آج انہیں جدید عربی ناول نگاری کا اہم ادیب تسلیم کیا جاتا ہے۔ ان کے ناولوں میں محلات کی سیاست کی بجائے معاشرے کے پے ہوئے افراد کی داستان غم شامل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی تحریریں عرب دنیا کے عوام الناس میں نہایت مقبول ہیں اور شوق سے پڑھی جاتی ہیں۔

مشق

(الف) مفصل جوابات لکھیں۔

1- نجیب محفوظ کے ادبی کارناموں پر ایک مضمون لکھیں۔

(ب) سوالات کے مختصر جوابات لکھیں۔

1- نجیب محفوظ نے کس عمر میں ناول پڑھنا شروع کیے؟

2- نجیب محفوظ کب گریجویت ہوئے؟

3- نجیب محفوظ کے کس ناول کا عبرانی زبان میں ترجمہ شائع ہوا؟

4- نجیب محفوظ کی ادبی تحریروں میں کس صنف کو اہمیت حاصل ہے؟

5- نجیب محفوظ کب فوت ہوئے؟

(ج) درست جواب کی نشاندہی کیجیے۔

1- نجیب محفوظ ابتدا میں..... سے متاثر تھے۔

(ا) کمال احسین (ب) العقاد (ج) سلامہ موسیٰ (د) الف، ب، ج

2- نجیب محفوظ..... سے سبکدوش ہوئے۔

(ا) جامعہ فواد الاول (ب) محکمہ تعلیم (ج) وزارت اوقاف (د) وزارت ثقافت

3- عرب اسرائیل جنگ (1967ء) کے بعد انہوں نے جو افسانے لکھے وہ..... مجموعوں میں شائع ہوئے۔

(ا) دو (ب) تین (ج) چار (د) پانچ

4- نجیب محفوظ کے ناولوں کا غالب رجحان..... ناولوں کی طرف ہے۔

(ا) معاشرتی (ب) تاریخی (ج) نفسیاتی (د) مثالی

5۔ نجیب کے چالیس ناولوں میں سے آخری..... میں شائع ہوا۔

(ا) 1996ء (ب) 1999ء (ج) 2004ء (د) 2006ء

(د) کالم (الف) کا ربط کالم (ب) سے کیجیے اور جواب کالم (ج) میں لکھیں۔

کالم (الف)	کالم (ب)	کالم (ج)
پیدائش	انشائیہ	
جامعہ فواد الاول	1919ء	
ضغیم	2006ء	
انقلاب مصر	1934ء	
وفات	الجمالیہ	
	1911ء	

(ه) طلبہ کے لیے سرگرمیاں

1۔ لائبریری میں جا کر ایک ایک ناول اجرا کریں اور چند دن بعد ہر طالب علم ناول کا مختصر تعارف کرائے۔

2۔ پاکستان کے معروف ناول نگاروں کی فہرست مرتب کر کے کمرے میں آویزاں کریں۔

(و) اساتذہ کے لیے ہدایات:

1۔ طلبہ پر ادب کی اہمیت واضح کریں۔

2۔ اچھے ناولوں اور افسانوں کے مجموعوں کی ایک فہرست مرتب کر کے طلبہ کے استفادے کے لیے کمرے میں آویزاں کریں۔



اور انہیں مزدوروں کی انجمنیں بنانے کا اعزاز بھی حاصل ہے۔ ضلع دادو کے لوگوں نے 1937ء میں ان کو سندھ اسمبلی کے لیے نمائندہ بنانا چاہا۔ چنانچہ وہ جہاں بھی جاتے ہزاروں لوگ انہیں دیکھنے کو آتے۔ لوگ ان کی شکل سے کم اور کام اور نام سے زیادہ واقف تھے۔ چنانچہ انھوں نے اپنے چاروں مخالف امیدواروں کے مجموعی ووٹوں سے بھی زیادہ ووٹ حاصل کیے۔ اور وہ صوبائی اسمبلی کے رکن منتخب ہو گئے۔ دو سال بعد جب انھیں احساس ہوا کہ اوروں کی سازشوں کی وجہ سے اسمبلی کا کاروبار ٹھیک طریقے سے نہیں چل سکتا، تو وہ اسمبلی سے مستعفی ہو گئے۔

جشنید جی ایک با اصول انسان تھے۔ انھوں نے اصولوں پر کبھی سمجھوتہ نہ کیا۔ جب انھیں احساس ہوا کہ شراب اور سپرٹ انسان کے لیے ہر طرح سے ضرر رساں ہیں، تو انھوں نے نہ صرف خود ان نشہ آور اشیاء کا استعمال ترک کر دیا، بلکہ دوسروں کو بھی ان سے دور رہنے کی تلقین کرتے رہے۔ یہ ان کے کاروبار کا ایک حصہ بھی تھا، چنانچہ ایجنسیاں بند ہوئے لگیں اور مالی طور پر انہیں کافی نقصان ہونے لگا۔ جشنید جی نے باپ کے اس کاروبار سے منافع لینا بھی بند کر دیا۔ ان کے والد پر دباؤ بڑھا کہ بیٹے کو سمجھائیں مگر صرف منافع کے لیے ان کے والد نے بیٹے کے اصول اور ضمیر کی آواز پر آج نہ آنے دی اور سارا نقصان بخوشی برداشت کر لیا۔

یہ ان کے کردار کی عظمت ہی تھی کہ عوام نے ہمیشہ ان پر اعتماد کیا۔ ایک دفعہ سنٹرل بینک آف انڈیا کے بارے میں افواہ پھیل گئی کہ بینک دیوالیہ ہو رہا ہے۔ لوگوں نے دھڑا دھڑ رقوم نکلوانا شروع کر دیں۔ وہ بینک میں گئے، صورت حال معلوم کی، باہر آ کر انھوں نے کرسی پر کھڑے ہو کر اعلان کیا کہ بینک کی مالی حالت مضبوط ہے۔ میں آپ لوگوں کی رقوم کی ضمانت دیتا ہوں۔ اتنا سننا تھا کہ قطاروں میں کھڑے لوگ مطمئن ہو کر اپنے اپنے گھروں کو واپس لوٹ گئے۔ انھوں نے سیاست میں بھی کبھی غلط وعدہ نہیں کیا تھا، اس لیے ان پر لوگ بے انتہا اعتماد کرتے تھے۔

ایک انگریز خاتون مسز اینی بسنٹ نے برعظیم کی تحریک آزادی میں حصہ لیا، گرفتار بھی ہوئیں۔ ”مقامی حکومت“ کی تحریک میں بھی سرگرم رہیں۔ وہ بلا کی مقررہ تھیں۔ وہ تھیو سوفیکل سوسائٹی کی صدر بھی تھیں۔ جشنید جی ان کی ایک تقریر سن کر بے پناہ متاثر ہوئے۔ وہ تھیو سوفیکل سوسائٹی کے رکن بن گئے۔ یہ سوسائٹی غریب بچوں کی تعلیم کا بندوبست کرتی تھی۔ ان دنوں 2000 طلبہ کی تعلیم کا ذمہ سوسائٹی نے اپنے سر لے رکھا تھا۔ جشنید جی نے اس دور میں 60 لاکھ روپے کا عطیہ دیا۔ اس کے علاوہ وہ ہر بچوں، جذامیوں اور جانوروں کی دیکھ بھال کے لیے بھی دل کھول کر چندہ دیا کرتے تھے۔ مہتاجی نے کراچی میں تھیو سوفیکل سوسائٹی کی شاخ قائم کی اور یہ سوسائٹی آج بھی کراچی میں سرگرم عمل ہے۔

جشنید جی بچپن ہی سے دوسروں کے دکھ درد کا خیال رکھتے تھے۔ اگر چہ وہ کروڑ پتی تھے لیکن وہ سادہ زندگی بسر کرتے اور اپنی آمدنی کا بڑا حصہ غریبوں، بیواؤں اور یتیم بچوں میں تقسیم کر دیتے تھے۔ وہ گاہے بگاہے ہسپتالوں اور بعض اوقات مریضوں کے گھروں میں عیادت کے لیے جاتے تھے۔ انھیں دیکھ کر مریضوں کے چہرے کھل اٹھتے۔ وہ خود بھی دکھی لوگوں سے مل کر خوش ہوتے تھے۔ بیماروں کے عیادت کرنے جاتے تو اپنے مخلص کارکنوں کو ساتھ لے جاتے، تاکہ ان کی بھی تربیت ہو جائے۔

جمشید جی بوائے سکاؤٹ تحریک کے بانی ارکان میں شمار ہوتے ہیں۔ وہ 1952ء میں فوت ہو گئے۔ ان کی وفات پر محکمہ ڈاک پاکستان نے یادگاری ٹکٹ جاری کیا۔ کراچی میں جناح روڈ پر ان کے نام سے ایک بڑا ہال تعمیر کیا گیا۔ فلاسوفیکل سوسائٹی ہر سال ان کی برسی کے موقع پر اجلاس منعقد کر کے انھیں خراج تحسین پیش کرتی ہے۔ جب تک کراچی شہر قائم رہے گا جمشید جی کا نام بھی زندہ رہے گا۔

مشق

(الف) مفصل جوابات لکھیں۔

- 1- جمشید نسرwan جی مہتا کے کردار کا جائزہ لیجیے۔
- 2- ”جمشید جی کی زندگی عوامی خدمت کی عمدہ مثال ہے“ تبصرہ کیجیے۔

(ب) سوالات کے مختصر جوابات لکھیں۔

- 1- جمشید نسرwan جی مہتا کب اور کہاں پیدا ہوئے؟
 - 2- جمشید جی کتنا عرصہ کراچی بلدیہ کے صدر رہے؟
 - 3- جمشید جی کی کون سی خوبیاں کاروباری ساکھ کا سبب بنیں؟
 - 4- جمشید جی کس سوسائٹی کے ممبر بنے؟
 - 5- جمشید جی کس شخصیت سے سب سے زیادہ متاثر ہوئے؟
 - 6- بینک میں جمشید جی کی تقریر کیوں مؤثر ثابت ہوئی؟
- (ج) درست جواب کی نشاندہی کیجیے۔

- 1- جمشید نسرwan جی نے نشہ ترک کر دیا کیوں کہ

(ا) یہ ایک خلاف قانون سرگرمی تھی
(ب) اسے سماجی طور پر برا سمجھا جاتا تھا
(ج) یہ صحت کے لیے نقصان دہ تھا
(د) مہنگائی بڑھ گئی تھی

- 2- جمشید نسرwan جی سز بسٹ سے بہت متاثر تھے کیوں کہ

(ا) وہ بہت پارساتھیں
(ب) بڑی عمدہ مقررہ تھیں
(ج) ہوم رول تحریک چلا رہی تھیں
(د) اچھی اور منجھی ہوئی سیاست دان تھیں

- 3- تھیوسائیکل سوسائٹی کا زیادہ زور

(ا) بچوں کی تعلیم
(ب) غریبوں کو کھانا کھلانے
(ج) مریضوں کی دیکھ بھال
(د) یتیموں کی پرورش

4- جمشید نسرwan جی نے اسمبلی کی رکنیت سے استعفیٰ دے دیا کیوں کہ

- (ا) ان کی دیگر مصروفیات بڑھ گئی تھیں
(ب) سازشوں کی وجہ سے وہ کام نہیں کر پارہے تھے
(ج) لوگوں کا اعتماد کھو بیٹھے تھے
(د) انھیں سیاست سے نفرت ہو گئی تھی

5- جمشید نسرwan جی ایک مقبول رہنما تھے کیوں کہ

- (ا) غریب پرورد اور بے لوث سیاسی کارکن تھے
(ب) کردار کے کھرے تھے
(ج) لوگوں کے دلوں میں اترنے کا فن جانتے تھے
(د) تھیو سافیکل سوسائٹی کے رکن تھے
(و) صحیح جملے کے سامنے ص اور غلط کے سامنے غ لکھیں۔

1- جمشید نسرwan جی مہتا کا تعلق ایک مسیحی گھرانے سے تھا۔

2- 1918ء میں جمشید نسرwan بلدیہ کے میئر منتخب ہوئے۔

3- جمشید نسرwan بارہ سال بلدیہ کے صدر رہے۔

4- جمشید نسرwan بوائے سکاؤٹ تحریک کے بانی رکن تھے۔

5- جمشید جی عموماً بیماروں کی تیمارداری کے لیے ہسپتال جایا کرتے تھے۔

(ہ) طلبہ کے لیے سرگرمیاں

1- جمشید نسرwan جی مہتا کی شخصیت کا جو پہلو آپ کو پسند آیا اس پر آدھے صفحے کا نوٹ لکھیں۔

2- آپ کے علم میں کوئی سماجی کارکن قابل ذکر ہو تو اس کے اوصاف دوسروں کو بتائیں۔

(و) اساتذہ کے لیے ہدایات:

1- ”رفاہ عامہ اور ہمارے فرائض“ پر مضمون نویسی کا ایک مقابلہ کرائیں اور اوّل دوم آنے والوں کی حوصلہ افزائی کریں۔

2- مذاہب کا خدمتِ خلق میں کردار اس موضوع پر سوال و جواب کی ایک نشست رکھیں اور اہم نکات نوٹ کر کے کمرۂ جماعت کی زینت بنائیں۔



مذہب کی سماجی، فلسفیانہ اور نفسیاتی تفہیم

تحلیل نفسی	نفسیاتی جائزے کا ایک طریقہ کار جس میں انسان کے ذہنی محرکات اور اعمال کا جائزہ لیا جاتا ہے۔
ٹوٹی ازم	ایک مذہبی عقیدہ کہ انسان کا تعلق کسی نہ کسی جانور، پودے یا بے جان چیز سے ہوتا ہے۔
جڑ پکڑنا	مضبوط ہونا، گہرائی تک اترنا
الہیات	ایسا علم جس میں خدا کے وجود اور ذات و صفات سے بحث کی جاتی ہے۔
مظاہر فطرت	فطرت کا اظہار بمختلف قسم کے قدرتی مناظر
ہیبت	خوف، رعب
پروٹسٹنٹ	ایک مسیحی فرقہ

مذہب پر معاشرے کے اثرات

الفاظ	معنی
ترسیل	پہنچانا
مسخ ہونا	اچھی صورت کا بری صورت ہونا
وحدت ادیان کا تصور	

الفاظ	معنی
اساس	بنیاد
توجہیہ	وجہ بیان کرنا، دلیل لانا
عمل پیرا ہونا	عمل کرنا
مماثلت	مشابہت
وجدان	علم کے حصول کی خاص قوت

مذہب اور سائنس

الفاظ	معنی
ماورائی	دنیا سے پرے
رسائی	پہنچ

الفاظ	معنی
تفہیم	فہمائش، سمجھنا، سوچنا، سمجھنا حاصل ہونا
حصول	حاصل ہونا
وصال الہی	وحدت میں فنا ہونا، خدا تعالیٰ سے ملنا
سماجیت	معاشرے یا سماج کا علم
اجتماعی	مشترکہ، سب کی
متعین	مقرر
باطنی	ظاہری کی ضد، اندر کی
علم بشریات	انسان کے بارے میں علم کی شاخ
مادرائی	نظر نہ آنے والی بالاقوتیں
نسلیات	انسانی نسلوں کے بارے میں علم
ارتقا	ترقی، بہتر بن جانا، بالیدگی
ہسٹریا	عورتوں کا ایک خاص مرض جس میں پاگل پن کا دورہ پڑتا ہے
آفاقی	عالمگیر، پوری دنیا سے تعلق رکھنے والا
ہم عصر	ہم زمانہ، ایک عہد والے
ٹولک کلچر	ٹولک میکسیو کے قدیم حکمران تھے جنہوں نے ایک خاص تہذیب کو پروان چڑھایا۔
اطلاق	لاگو
فیلو	ہم سر، کسی تعلیمی ادارے کی انجمن کارکن
ضخیم	بہت بڑا، موٹا
مغنی	چھپے ہوئے
ما فوق الفطرت	فطری انداز سے بالا، بہت کر

نفس الامری اصل بات، درحقیقت

تعمین

مقرر

تصویب

تصدیق

استطاعت

طاقت

مفروضہ

فرض کیا گیا

تقویٰ

پرہیزگاری

بقا

باقی ہونا، بچ رہنا

صدقہ کرنا

عید الفطر کے موقع پر ایک مقررہ نصاب صدقہ

بعد ازاں

اس کے بعد

کبریائی

عظمت، بڑائی

جامعیت

اکملت، جامع ہونے کی کیفیت

عقیدہ

بچے کی پیدائش پر بکرے کا صدقہ دینا

عمومیت

عام ہونے کی حالت

عزیز و اقارب

رشتہ دار

ما بعد الطبیعات

ما فوق الفطرت

دعائے مغفرت

بخشش کی دعا

ایمان بالغیب

غائب پر یقین

میسجیت

قرین عقل

وہ بات جسے عقل قبول کر لے

معنی

مباحث

بحث یا تفتیش کا کام

پیر و کار

پیروی کرنے والے

عرفان

معرفت، خدا شناسی

رجوع

راغب، پلٹ آنا، میلان

مقابلہ

مطالب

حواری

خاص، مددگار

پاکستان میں مختلف مذاہب

الفاظ

معنی

تسلیم و رضا

خدا کی رضا پر راضی

اخلاص

خالص ہونا

چینا دو بھر کرنا

زندگی مشکل بنا دینا

پرچار کرنا

تبلیغ کرنا

زیر نگلیں آنا

مفتوح ہونا، ماتحت آ جانا

توکل

بھروسا

پیرو

پیروی کرنے والے

ایثار

قربانی

استطاعت

طاقت

عفو و درگزر

معاف کر دینا

جمی دست

مفلس، کنگال

ماخذ

منبع

نو وارد

نیا، اجنبی

مصلوب کرنا

پھانسی دینا

زا و راہ

سفر کے اخراجات

روح القدس

مراہ حضرت جبرائیل علیہ السلام

ہندومت

الفاظ

معنی

إِنَّا لِلّٰہِ وَإِنَّا إِلَیْہِ رَاجِعُونَ بیشک ہم اللہ کے لیے ہیں اور بیشک ہم اسی

از بس

بے حد

کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔

رزمیہ

جنگ یا لڑائی سے متعلق

استحکام

پختگی، مضبوطی

قوت جاوہ

جذب کر لینے کی طاقت

زیر نگلیں آنا

فتح ہو جانا

اشنان کرنا

نہانا

نو وارد

اجنبی

از سر نو

نئے سرے سے

مغنیم	بہت بڑی	پڑا اٹھانا	ذمہ لینا
مرگھٹ	قبرستان	متارے کا روال	مرا دقوم کی مال و دولت
تجسیم	بت بنانا، جسمانی شکل دینا	احساس زیاں	تقصان کا احساس
جون	روپ، بھیس	کدورت	میل
ارتھی	میت	سیدنا	ہمارے آقا، ہمارے رہنما
سیوا	خدمت	منحرف ہونا	پلٹ جانا، لوٹ جانا

زر تشبیت

الفاظ	معنی
انحراف	پھر جانا، لوٹ جانا
علیم	علم رکھنے والا
مکاففہ	انکشاف راز کرنا
بصیر	دیکھنے والا
پاتال	زمین کا سب سے نیچے کا حصہ

سکھ مذہب

کام کی جگہ پر وقت اور پابندی وقت کی اہمیت

الفاظ	معنی
ریاضت	محنت، مشق
کیرتن	موسیقی اور خوش الحانی سے حمد پڑھنا
لنگر	جہاں روزانہ غریبوں کو کھانا تقسیم کیا جاتا ہے
سکھ	شیر
تشخص	شخصیت، امتیاز، خصوصیت
ستی	ہندومت کی ایک رسم جس میں خاوند کے مرنے پر اس کی بیوی بھی زندہ جلائی جاتی تھی۔

بجپ جی	گرو گرنٹھ صاحب جی کی ایک خاص نظم
پانٹھ	تلاوت، مقدس کتاب کا پڑھنا، سکھ مذہب میں گرو گرنٹھ کے پڑھے جانے کو کہتے ہیں۔

کور

اجتماعی عدل اور مساوات

الفاظ	معنی
برگزیدہ	پسندیدہ
معیوب	عیب دار، برا
بصیرت	عقل مندی، دل کی بینائی
تقویض کرنا	ذمے لگانا
چرب زبان	چکنی چپری باتیں کرنے والا
عافیت	سلامتی، خیریت
توقیر	عزت
آفات	مصیبتیں
چاپلوسی	خوشامد

حسن ظن نیک گمان

مرگ موت

استفادہ کرنا فائدہ اٹھانا

لعن طعن کرنا برا بھلا کہنا

مادر مہر یاں

الفاظ معنی

چڑامی کوڑھ کے مریض

سمبل علامت

ضمیر کا قیدی

الفاظ معنی

پیش بہا بہت بڑی

حریت پسند آزادی کا متوالا

حقیر کم درجے کا

درتچے کھڑکیاں

مشقت طلب مشکل

مصائب مصیبتوں

وافر کافی زیادہ

پائے استقامت استقامت، عزم و ارادہ مراد ہے

آدرش اصول، نظریہ، معیار

امر نہ مرنے والا، ہمیشہ کے لیے زندہ

رول ماڈل نمونہ

مرہون منت احسان مند، شکر گزار

رقم کرنا تحریر کرنا

چھتھار

الفاظ معنی

چھتھار بہت بڑا سایہ دار درخت

لی جنڈ افسانوی کردار

توانا طاقت ور

انصرام بندوبست

صلہ بدلہ

ستائش تعریف

دریاد دل خدمت گار

الفاظ معنی

سر آکھوں پر بٹھانا بہت عزت کرنا

کھاتا پیتا گھرانہ امیر کبیر خاندان

آج آنا حرف آنا، نقصان ہونا

ہوم رول حکومت خود اختیاری

ہاری کاشتکار، مزارع

ڈاکٹر محمد شفیع مرزا

پروفیسر ڈاکٹر محمد شفیع مرزا نیا دارہ برائے تعلیم و تحقیق جامعہ پنجاب، لاہور میں 30 سال تک تدریسی خدمات سرانجام دیں۔ وہ دس سال تک صدر شعبہ بھی رہے۔ انھوں نے دوران ملازمت انڈیانا یونیورسٹی (امریکہ) سے تدریسی تربیت بھی حاصل کی اور ریٹائرمنٹ کے بعد عالمی بینک کے تعاون سے چلنے والے آزاد کشمیر کے لیے ایک منصوبے میں بطور مشیر وابستہ رہے۔ ان کے زیر نگرانی کئی طلبہ پی ایچ ڈی اور ایم فل کے مقالات مکمل کر چکے ہیں۔ وہ قومی نصاب سازی کی کمیٹی برائے فنی مضامین، حکومت پاکستان، اسلام آباد کے 1984ء سے رکن ہیں۔ ان کے بہت سے تحقیقی مقالات شائع ہو چکے ہیں اور دیگر اشاعتی اداروں نے ان کی ایک درجن سے زائد کتب شائع کی ہیں۔ وہ آج کل تخیلاتی جامعہ (ورچوئل یونیورسٹی) سے وابستہ ہیں۔

ڈاکٹر عبداللہ شاہ ہاشمی

ڈاکٹر عبداللہ شاہ ہاشمی نے جامعہ پنجاب کے ادارہ برائے تعلیم و تحقیق سے تعلیم میں ماسٹر کی سند اول بدرجہ اول حاصل کی۔ اس کے بعد ایم فل اور پی ایچ ڈی کی اسناد حاصل کیں۔ محکمہ تعلیم حکومت پنجاب میں طویل مدت تک تدریسی اور انتظامی امور سرانجام دینے کے بعد آج کل جامعہ پنجاب کے ادارہ برائے تعلیم و تحقیق اور پنجاب سائنس کالج لاہور میں تدریسی فرائض سرانجام دے رہے ہیں۔ اقبال اکادمی پاکستان کے دائمی رکن ہیں۔ اکادمی نے ان کی دو کتابیں شائع کی ہیں۔ تحقیق اور نصابیات ان کے خاص میدان ہیں۔ ان کے بہت سے مقالات و مضامین ملکی و غیر ملکی جرائد میں شائع ہو چکے ہیں۔ پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، آفاق اور دیگر کئی اداروں نے ان کی ایک درجن سے زائد کتابیں شائع کی ہیں۔

نصاب اخلاقیات برائے جماعت گیارھویں

صفحہ	عنوان
01	پہلا باب: مذاہب کا تعارف
01	1- مذہب کی سماجی، فلسفیانہ اور نفسیاتی تفہیم
08	2- مذہب پر معاشرے کے اثرات
20	دوسرا باب: پاکستان میں مختلف مذاہب
20	1- اسلام
26	2- مسیحیت
43	تیسرا باب: اخلاقی اقدار
43	1- اجتماعی عدل اور مساوات
46	2- معاشرتی ادارے
46	(ریاستی ادارے)
47	(سماجی ادارے)
53	چوتھا باب: آداب
53	کام کی جگہ کے آداب
55	1- خدمت گار
56	2- ملاقاتی
59	پانچواں باب: مشاہیر
64	1- عبدالستار ایدھی
68	2- مدرثریا
80	3- جمشید سروان جی مہتا